صفا



دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد

جامعہ اسلامیہ دار العلوم سبیل السلام حیدرآباد کا علمی، دینی، ادبی، سہ ماہی رسالہ

صفا

مدیر اعلیٰ:
محمد رضوان القاسمی

مدیر:
خالد سیف اللہ رحمانی

شمارہ: ۹
شعبان، رمضان، شوال ۱۴۱۰ھ
مطابق:
اپریل، مئی، جون ۱۹۹۰ء

- سالانہ ۴۰/- روپے
- معاون خصوصی ۱۰۰/- "
- فی پرچہ ۱۰/- "

ناشر: شعبہ نشر و اشاعت: دار العلوم سبیل السلام
پوسٹ بالاپور، حیدرآباد ۵۰۰۰۰۵ - انڈیا
فون ۲۳۹۴۵۰

Form 1

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

افتتاحیہ

"صفا" کا یہ نواں شمارہ، یعنی تیسری جلد کا پہلا شمارہ قارئین کی نذر ہے —— اس پر خدا کا شکر ادا کرنے کے لئے الفاظ نہیں پاتا کہ اس نے اپنے ان عاجز، ناتواں اور کم سواد بندوں سے دین اور علم کی یہ خدمت لی اور لے رہا ہے، اس کا جیسا کچھ معیار ہے، وہ خدا ہی کی توفیق اور فضل سے عبارت ہے اس موقع سے اپنے ان قلم کاروں اور لکھنے والوں کے بھی سپاس گذار ہیں، جنہوں نے اپنی قیمتی، گرانمایہ اور غیر مطبوعہ تحریروں سے "صفا" کی مدد کی ہے اور اپنے قارئین اور معاونین کے بھی جن کی اعانت، علم پروری اور دین دوستی کے سہارے یہ اور اس طرح کے دوسرے علمی رسائل زندہ ہیں۔

"صفا" نے شروع سے اپنا یہ مزاج رکھا ہے کہ اس پر علم و تحقیق کا رنگ غالب ہو اور وہ صالح اور معیاری لٹریچر اور ادب کی نمائندگی کرے، تاہم دعوت و تذکیر سے بھی اس کا دامن خالی نہ رہے، موضوعات کے اعتبار سے تنوع ہو، اسلامیات کے مختلف فنون پر تحریریں شریک اشاعت ہوں، جدید اور ضروری موضوعات پر —— جو دین سے متعلق ہوں —— مقالات لکھوا کر اہلِ علم کو دعوتِ فکر دی جائے اور بحث و تحقیق کا دروازہ کھولا جائے، ادب کے اسلامی پہلو کو اجاگر کیا جائے، ایسی شخصیات کا تعارف کرایا جائے، جو اردو قارئین کے لئے ایک طرح "دریافت" کا درجہ رکھتی ہوں۔ "صفا" کے آغاز سے اس کا ایک مستقل عنوان کسی ایسے فقہی مسئلہ پر بحث کرنا رہا ہے، جو نوایجاد وسائل یا تغیر پذیر شکل، یا سماجی اور معاشرتی اقدار میں تبدیلی، یا جدید معاشی نظام کی وجہ سے "نئے مسائل" کی فہرست میں آتا ہو "صفا" کا یہ سلسلہ بہت مقبول ہوا ہے اور اہل علم نے اس کی تحسین کی ہے —— ہماری کوشش ہے کہ مستقبل میں ہم ان کو "خوب سے خوب تر" بنانے کی سعی کریں۔

گذشتہ شمارہ میں ہم نے وعدہ کیا تھا کہ اس شمارہ سے ایک نیا سلسلہ شروع کیا جائے گا، اور اسلام کے خلاف مستشرقین اور دوسرے معاندین کی طرف سے جن مسائل پر انگلی اٹھائی جاتی ہے،

ان میں سے ایک ایک مسئلہ پر ہر شمارہ میں ایک تحقیقی مقالہ شائع ہوگا جس پر جدل و مناظرہ کے بجائے جدید معروضی اسلوب کا رنگ غالب ہوگا، بحمد اللہ اس شمارہ سے یہ سلسلہ شروع ہو چکا ہے اور ہم پر امید ہیں کہ یہ ایک مفید اور معلومات افزا سلسلہ ثابت ہوگا ——— "صفا" پر یہ چند سطریں لکھتے ہوئے ناانصافی ہو گی اگر جامعہ اسلامیہ دار العلوم سبیل السلام کے جواں ہمت، مخلص اور پر عزم رفقاء کا شکریہ ادا نہ کروں، جن کی توجہ اور عنایت ہی سے یہ رسالہ موجودہ ظاہری و معنوی کیفیت کے ساتھ طبع ہو رہا ہے، اور جس کو یہ آسانی میسر ہے کہ ایک پرچہ کی طباعت کے وقت ہی آئندہ، بلکہ اس سے پیوستہ پرچہ کے اکثر مضامین موجود ہوتے ہیں، دعا ہے کہ خدا اس خدمت میں اخلاص پیدا فرمائے اور اس کو ثبات و دوام بخشے!

"**مسلم پرسنل لا**" کا مسئلہ ہندوستانی مسلمانوں کے لئے تہذیبی اور تمدنی حیات و موت کا مسئلہ ہے، مسلمان شروع ہی سے اس مسئلہ میں حساس رہے ہیں اور آزادی سے پہلے بھی کانگریس کی تائید سے پہلے انہوں نے اس بات کی طمانیت حاصل کی تھی کہ ملک کی آزادی کے بعد جمہوریت کا جو نقشہ بنے گا اس میں مسلمانوں کے لئے اس تشخص کو برقرار رکھا جائے گا، مگر بدقسمتی سے ملک کی آزادی کے بعد جو دستور بنا اس کے رہنما اصول میں "یکساں سول کوڈ" کی ایک ایسی دفعہ رکھ دی گئی جو مسلمانوں کے لئے ایک لٹکتی ہوئی شمشیر کی طرح آج تک موجود ہے۔ آزادی کے بعد ایک آوارہ فکر طبقہ جس کو مذہبی اور اخلاقی پابندیاں گوارہ نہیں، اور جو اس ملک میں مغرب کی اباحیت اور حیا باختگی کو پروان چڑھتے دیکھنا چاہتا ہے ——— نے مسلم پرسنل لا کے خلاف آواز اٹھانی شروع کی، یہاں تک کہ ملک کے سنجیدہ اور باوقار علماء اور دانشوروں نے محسوس کیا کہ مسلم پرسنل لا کے تحفظ کے لئے ایک منظم اور منصوبہ بند سعی ضروری ہے، چنانچہ ۱۹۷۲ء میں "آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ" کی صورت میں مسلمانانِ ہند کا ایک متحدہ پلیٹ فارم وجود میں آیا، جس نے اپنے قیام کے اوّل روز سے آج تک مسلم پرسنل لا کے تحفظ میں بڑا کردار ادا کیا ہے۔

موجودہ جنتا دل حکومت نے اپنے انتخابی منشور میں اس بات کا وعدہ کیا تھا کہ مسلم پرسنل لا پر کوئی دست درازی نہیں کی جائے گی، مگر جنتا دل کی صف میں بعض ایسے قائدین بھی موجود ہیں

جو "مسلم پرسنل لا" کی مخالفت میں خاصے بدنام رہ چکے ہیں، سیاسی مدد جزر نے اس وقت ان کو وزارت کی کرسی تک پہونچا دیا ہے اور انہوں نے اپنے مزاج کے مطابق بعض ایسے بیانات دئے ہیں جو مسلمانوں کے لئے بجا طور پر لائق تشویش ہیں ــــــــ بورڈ نے بروقت اس کا نوٹس لیا ہے اور وزیر اعظم وی، پی، سنگھ سے ملاقات کی، وزیر اعظم جو اپنی اصول پسندی اور فراخ دلی میں بجا طور پر مشہور ہیں اور باکردار اور باخبر سمجھے جاتے ہیں، نے تیقن دیا ہے کہ "یکساں سول کوڈ" کی کوئی بات حکومت کے سامنے نہیں ہے اور وزیر موصوف کا بیان اس سلسلہ میں ایک غیر متعلق شخص کا بیان ہے۔ تاہم چونکہ موجودہ حکومت ایک اقلیتی حکومت ہے اور اس پر بائیں بازو کی جماعتوں اور فرقہ پرست تنظیموں کا سخت دباؤ ہے اور یہ دونوں ہی مسلم پرسنل لا کی مخالفت میں ہم دوش اور ہم قدم ہیں، اسلئے ضروری ہے کہ مسلمان چوکنا اور حساس رہیں اور ایک ساعت کے لئے بھی تحفظ شریعت کے اس اہم محاذ پر غفلت کا ثبوت نہ دیں۔

جامعہ اسلامیہ دار العلوم **سبیل السلام** حیدرآباد کے "نصاب تعلیم" میں امسال مروجہ درس نظامی کو اصل اور اساس بناتے ہوئے بعض تبدیلیاں کی گئی ہیں، مختلف فنون میں جدید و قدیم اہم کتابوں کا اضافہ کیا گیا ہے، یہ اضافہ اور تبدیلی محض سرسری غور و فکر کا نتیجہ نہیں ہے، بلکہ پورے ملک سے تدریسی تجربہ رکھنے والے علماء اور اصحاب دانش کے مشوروں کو سامنے رکھا گیا ہے اور علوم عصریہ کو بھی توازن و اعتدال کے ساتھ جگہ دی گئی ہے۔ ہم دعاگو ہیں کہ یہ تجربہ دار العلوم کے حق میں مفید اور علمی ترقی کا موجب ہو اور اساتذہ اپنی سعی و محنت سے اسے کامیاب کریں۔

گذشتہ سال دار العلوم سبیل السلام میں "تخصص فی الفقہ" کے دو سالہ کورس کا آغاز عمل میں آیا تھا، اب تک اس سلسلہ میں جو تجربہ ہوا ہے وہ امید افزا ہے، امسال "تخصص فی الدعوۃ" کی بنیاد بنام خدا رکھی جا رہی ہے، اس کا کورس بھی دو سالہ ہوگا، اس کا مقصد یہ ہے کہ طلبہ اسلام کے اصول دعوت کو سمجھیں، جس قوم اور طبقہ کو دعوت دینا ہو اس کی نفسیات سے واقف ہوں، دعوت کے دو اہم ذرائع زبان اور قلم میں مہارت و اختصاص حاصل کریں اور مختلف طلبہ مختلف فرق باطلہ اور مذاہب کے لٹریچر اور ان کے تردیدی اور تنقیدی لٹریچر کا پوری وسعت کے ساتھ مطالعہ کریں، اگر

یہ تجربہ کامیاب ہوا تو انشاء اللہ اس طرح افراد سازی کا ایک بڑا کام ہو سکے گا اور مستقبل میں علمی اور تحقیقی کام کرنے والی ٹیم تیار ہو سکے گی، ——— قارئیں خاص طور پر اس نئے شعبہ کے کامیاب اور نتیجہ خیز ہونے کی دعا کریں۔

راقم سطور کو اس بار شعبان اور رمضان المبارک (۱۴۱۰ھ) میں حرمین شریفین کی زیارت کی سعادت حاصل ہوئی، سعودی عرب کے دوسرے اہم شہروں میں بھی جانا ہوا، کویت اور متحدہ عرب امارات کے سفر کا بھی موقع ملا، اس سفر کا ایک اہم مقصد جامعہ اسلامیہ دار العلوم سبیل السلام کے کتب خانہ کے لئے کتابوں کی فراہمی بھی تھا، بحمد اللہ سفر اس اعتبار سے بہت کامیاب رہا اور بہت سی جدید و قدیم کتابیں ——— جو علمی اور تحقیقی کاموں کے لئے مرجع و ماخذ کا درجہ رکھتی ہیں ——— حاصل کی گئیں اور اس طرح اب جامعہ کا کتب خانہ ایک ایسا کتب خانہ ہو گیا ہے، جس میں تشنہ کامانِ علم و تحقیق کی سیری کے لئے ضروری سامان فراہم ہے کہ کسی تعلیمی اور تحقیقی ادارہ کے لئے کتب خانہ روح و جان کی حیثیت رکھتا ہے۔

اس بات سے مسرت ہوتی ہے کہ عرب ممالک میں اس وقت تصنیف و تالیف کا اچھا کام ہو رہا ہے، مختلف موضوعات پر نئی نئی کتابیں آرہی ہیں، خاص کر وہ مقالات جو "دکتورۃ" کے لئے لکھے جاتے ہیں، مختلف موضوعات پر خاص مواد فراہم کرتے ہیں، مخطوطات کو بھی طباعت کا پیرہن پہنایا جا رہا ہے، بڑے قیمتی علمی اور تحقیقی مخطوطے ہیں کہ چھپ رہے ہیں، پرانی کتابیں تحقیق و تعلیق کے ساتھ طبع کی جارہی ہیں، اس کام نے ان کی افادیت میں بہت اضافہ کر دیا ہے، "فتح الباری" شرح حدیث کی معروف و قدیم کتاب ہے، ابھی ان کا نیا، نہایت نفیس اور چھوٹے سائز کا ایڈیشن عبد اللہ بن باز کی تحقیق کے ساتھ شائع ہوا ہے، "شرح مختصر الروضۃ" طوفی کی اصولِ فقہ پر مشہور کتاب ہے، مشہور عالم عبد اللہ عبد المحسن الترکی نے اس کو ایڈٹ کیا ہے، فقہ حنبلی کے ایک اہم ماخذ "الاقناع" پر محمد عبد اللطیف موسیٰ نے کام کیا ہے، اصول فقہ کے مختلف گوشوں پر مستقل اور اچھی کتابیں آگئی ہیں اسی طرح کی ایک کتاب ڈاکٹر محمد سعید اسفان بوطی کی "ضوابط المصلحۃ فی الشریعۃ الاسلامیۃ" ہے، ائمہ اربعہ کی فقہ میں نصوص کی توضیح و بیان کے موضوع پر ڈاکٹر محمد ادیب صالح کی ایک نہایت

عمدہ کتاب "تفسیر النصوص فی الفقہ الاسلامی" طبع ہوکر آئی ہے، فقہی قواعد وضوابط پر بڑی اچھی کتابیں آگئی ہیں، جن میں شیخ مصطفیٰ زرقا کی "شرح القواعد الفقہیہ" علی احمد ندوی کی "القواعد الفقہیہ" اور ڈاکٹر مصطفیٰ سعید الحسن کی "اثر الاختلاف فی القواعد الاصولیہ فی اختلاف الفقہاء" خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔ ابھی ۱۰ جلدوں میں ایک نئی تفسیر "اضواء البیان" دیکھنے کا بھی اتفاق ہوا، قرآن مجید کے الفاظ جن کے مادے ایک ہوں اور جن کے معانی ومفہوم مختلف ہوں، ان پر ایک قدیم مصنف عبد الملک بن محمد ۲۹۲ھ کی ایک عمدہ کتاب "الاشباہ والنظائر" (جو اب تک مخطوطہ تھی) چھپ گئی ہے بحمد اللہ یہ اور اس طرح کی سیکڑوں کتابیں دار العلوم سبیل السلام کے کتب خانہ کے لئے خرید کی جاچکی ہیں، خدا کرے کہ اساتذہ وطلبہ ان سے استفادہ کریں۔

سعودی عرب کا سفر محترم الحاج سید ضیاء الرحمن صاحب صدر دار العلوم سبیل السلام اور عزیز گرامی مولانا خورشید انور ندوی کی رفاقت میں ہوا۔ اس سفر کے درمیان بعض بزرگوں اور دوستوں کی طرف سے جو تعاون ملا، اس موقع سے ان کا ذکر نہ کرنا قدر ناشناسی ہوگی، یکم مارچ ۱۹۹۰ء کو راقم سطور کے سفر کا آغاز ہوا، سفر کی پہلی منزل سعودیہ عربیہ تھی، یہاں مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، جدہ اور ریاض جانے کا اتفاق ہوا اور جدہ میں میرے خاص کرم گستر جناب عبد الوحید صاحب کے علاوہ جناب محمد حامد حسین الجنیر، جناب سید حبیب اللہ حسینی اور جناب خواجہ مقبول احمد صاحب نے بڑی پذیرائی فرمائی اور ہر طرح سے تعاون کیا، مکہ مکرمہ میں ڈاکٹر عبد اللہ عمر نصیف، سکریٹری رابطہ عالم اسلامی، حرم شریف کے واعظ ومدرس مولانا شیخ محمد خیر محمد مکی حجازی مدظلہ (جو ابھی گذشتہ دار العلوم سبیل السلام کی دعوت پر حیدر آباد کی سرزمین کو اپنے مواعظِ حسنہ سے فیضیاب کرچکے ہیں) اور محترم ڈاکٹر مولانا عبد اللہ عباس ندوی دامت برکاتہم جن کی شفقت وعنایت کے لئے شکریہ کے الفاظ نہیں پاتا، نے بڑی عزت افزائی اور ذرہ نوازی کا برتاؤ کیا، مدینہ منورہ میں محب محترم جناب عبد الرشید صاحب آرکیٹکٹ، اور الحاج سید ضیاء الرحمن صاحب صدر مجلس انتظامی کے فرزند ارجمند نوجوان صالح ڈاکٹر سید ریاض الرحمن صاحب نے ایسی محبت کا سلوک کیا کہ سفر اور اجنبیت کا احساس نہ رہا۔

ریاض میں ڈاکٹر احمد توتونجی، الندوۃ العالمیہ للشباب الاسلامی کے مدیر، نیز ندوہ ہی میں

مولانا منظہر سید عالم صاحب، جناب حسن ذوالقرنین صاحب، رابطہ عالم اسلامی کی شاخ ریاض کے مدیر عبدالالہ اور اس سے وابستہ مولانا ابرار احمد صاحب اور ان کے علاوہ شیخ محمد حافظ، جناب خواجہ مقصود احمد، ڈاکٹر باقر قریشی، مولانا عبدالباری قاسمی، مولانا نثار احمد قاسمی اور جناب سراج احمد صاحب، مولانا اشتیاق احمد قاسمی اور جناب ضیاء الحق صاحب وغیرہ نے ہر مرحلہ پر تعاون فرمایا اور ایک مسافر مہمان کے ساتھ پورے پورے اکرام اور محبت کا ثبوت دیا، یہاں مختلف تجارتی مکتبوں کو دیکھنے کا موقع ملا، بحمداللہ یہاں بڑے بڑے مکتبے ہیں، راقم سطور کو خصوصیت سے "مکتبۃ الرشد" نے بہت متاثر کیا، ہر موضوع پر علاحدہ علاحدہ قرینہ سے سجائی ہوئی کتابیں، کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ، شاید ہی کوئی موضوع ہو جس پر یہاں کوئی کتاب موجود نہ ہو۔

سعودیہ کے بعد میری منزل "کویت" تھی، یہاں شیخ نادر نوری اور الاستاذ بدر ناصر المطیری سے خوشگوار ملاقات رہی، جناب محمد ہوش دار خاں، جناب شاہین خاں، ممتاز عالم اور میرے قدیم رفیق عزیز مولانا بدرالحسن قاسمی، برادر عزیز مولانا محمد حسان قاسمی، محب مکرم جناب عبدالرشید صاحب حیدرآباد ایسوسی ایشن کے صدر، حاجی عبدالکریم صاحب، معتمد جناب عبدالقدیر نقوی، نیز دوسرے ارکان کے علاوہ جناب شاہین خاں وغیرہ نے ہر قدم پر مدد فرمائی۔

کویت کے بعد میرے اس سفر کی آخری منزل عرب امارات (دوبئی) تھی یہاں برادران عزیز محمد سلمان صدیقی اور حافظ محمد عرفان کی موجودگی سے نہ صرف دارالعلوم کا تعارف ہوتا ہے، بلکہ سفر کا احساس ختم ہو جاتا ہے۔ ان کے علاوہ مولانا حسنین احمد ندوی (ابوظبی)، شیخ محمد ابوبکر عمودی (شارجہ) بزم دکن امارت کے صدر شمشاد حسین فاضل، جناب شہاب الدین صاحب نیز بزم کے دوسرے ارکان اور ڈاکٹر صبیح الدین صاحب وغیرہ علم دوست اور ادب پرور دوستوں سے ملاقاتیں رہیں اور ہر جگہ "صفا" کے لئے پسندیدگی اور تحسین کی سوغات بھی ملی، جو محض خدا کے فضل و احسان سے عبارت ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان تمام بزرگوں، لائق دوستوں اور دوسرے ہمدردوں کو ان کے سلوک اور دین دوستی اور علم پروری کا بہترین اجر عطا فرمائے، خصوصیت کے ساتھ سعودی عرب کے سفر میں بزرگ رفیق الحاج سید ضیاء الرحمٰن صاحب کی بزرگانہ رفاقت اور قدم قدم پر ان کی شفقت اور پیرانہ سالی کے باوجود جوان حوصلگی بڑی تقویت کا باعث ہوئی —— دعا ہے کہ

اللہ تعالیٰ ان کے حوصلہ کو ہمیشہ جواں اور تازہ دم رکھے ۔

"صفا" کا یہ گلدستہ بھی مختلف نوع کے پھولوں سے آراستہ ہے، مگر اس تنوع میں بھی ایک وحدت موجود ہے کہ وہ سب دین کی حفاظت و اشاعت کے جذبات سے عطر بار ہیں۔ اس بار قارئین قرآنیات میں قرآن مجید کی ایک خاص اصطلاح "خلیفہ" پر تحقیق کا مطالعہ کرسکیں گے، حدیث کے ادبی پہلو پر "صفا" کی پہلی جلد میں بھی ایک مضمون شائع ہو چکا ہے، اس شمارہ میں بھی ایک تحریر اسی موضوع پر نظر نواز ہوگی، ادبیات میں ایک پر تاثیر نظم "بیداری مسلم" کے عنوان سے ملاحظہ کی جاسکے گی، دینی مدارس کے نصابِ تعلیم کا مسئلہ بڑا اہم ہے، دار العلوم سبیل السلام نے اپنے نصاب پر غور و فکر کے لئے مختلف اہلِ علم اور ماہرینِ تدریس کی رائیں طلب کی تھیں، ان سب کا خلاصہ دار العلوم کے صدر مدرس جناب مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے بڑی عمدگی سے کیا ہے، یہ رپورٹ بھی امید ہے کہ اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے سرمۂ چشم بنے گی۔ شخصیات میں بھولی بسری لیکن اہم اور یاد رکھنے کے لائق شخصیت مفسر قرآن مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کی ہے، ایک مختصر تعارفی تحریر اس پر بھی قارئین پڑھ سکیں گے۔ چونکہ دار العلوم سبیل السلام میں ابھی ایک نئے شعبہ "تخصص فی الدعوۃ" کا آغاز عمل میں آرہا ہے، اس مناسبت سے ایک آزمودہ کار اور دعوت کے رمز شناس داعی جناب ڈاکٹر غلام محمد صاحب خلیفہ علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا دعوتِ دین کے موضوع پر ایک قیمتی مقالہ بھی ناظرین کے مطالعہ میں آئے گا۔

جدید تقاضوں کے تحت جن مسائل پر غور کرنے کی ضرورت ہے، ان میں ایک "تعزیر مالی" کا مسئلہ بھی ہے، اس مسئلہ پر ایک مختصر مگر جامع مضمون شریکِ اشاعت ہے۔ "صفا" کے گذشتہ شمارہ میں وعدہ کیا گیا تھا کہ "صفا" کے ہر شمارہ میں کسی ایک ایسے مسئلہ پر بحث کی جائے گی، جس کی وجہ سے مستشرقین اور دوسرے معاندینِ اسلام نے اسلام کے خلاف پروپگنڈہ کیا ہے اور دینِ حق کو بدنام کرنے کی ناکام کوشش کی ہے، چنانچہ اللہ کے نام سے ابھی یہ سلسلہ شروع کیا جارہا ہے۔

اکثر مغربی اہلِ قلم نے لکھا ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کے ساتھ جو سلوک کیا وہ غیر منصفانہ اور غیر انسانی تھا، اس بات کو اس طرح دہرایا گیا ہے کہ یورپ کے معتدل اہلِ قلم بھی

اس سے اپنے آپ کو نہ بچاسکے ـــــ "صفا" کے اس شمارہ میں اس موضوع پر قلم اٹھایا گیا ہے، ایک فاضل مقالہ نگار نے بڑی جامعیت سے یہودی قوم کی نفسیات، انبیاءؑ کے ساتھ ان کا سلوک، پیغمبر اسلامؐ اور مسلمانوں کے ساتھ ان کے رد یے اور یہود کی سرزنش کے اسباب اور اس کی معقولیت پر گفتگو کی ہے۔ افسوس کہ یہ مقالہ ایک قسط میں نہ آسکا اور اس کی پہلی قسط شائع کی جارہی ہے، لیکن دونوں قسطیں اس طرح رکھی گئی ہیں کہ دونوں کی مستقل حیثیت برقرار رہے، اور قارئین ایک قسط پڑھنے کے بعد بے لطفی اور تشنگی محسوس نہ کریں، امید کہ یہ تحریر دلچسپی کے ساتھ پڑھی جائے گی۔

"صفا" کے گذشتہ شماروں میں جو مضامین شائع ہوئے تھے ان کی فہرست اور اشاریہ بھی اس شمارہ میں شامل ہے، تاکہ قارئین کے لئے رہبری کا کام کرے ـــــ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ صفا کی اس تیسری جلد کو کامیابی و کامرانی سے ہم کنار کرے اور اس کے افادہ کے دائرہ کو وسیع سے وسیع تر فرمائے۔

محمد رضوان القاسمی

۲۹ر شوال ۱۴۱۰ھ

صبیح الدین انصاری
(متحدہ عرب امارات)

"خلیفہ" کا مفہوم

زیر نظر مضمون میں "خلیفہ" کے سلسلہ میں ایک نقطۂ نظر کی پوری ترجمانی ہے، اگر اس مضمون کے مقابلہ میں دوسرا نقطۂ نظر پیش کیا جائے یا کوئی نقد و تبصرہ ہو تو اس کیلئے بھی "صفا" کے صفحات حاضر ہیں (ادارہ)

اہلِ علم سے یہ بات مخفی نہیں کہ "خلافت" اور "استخلاف" قرآن و حدیث کی بے حد اہم اور معروف اصطلاحیں ہیں، ان کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ قرآنِ کریم میں "خلافت" "استخلاف" اور ان کے دیگر مشتقات، مثلاً خلیفۃ، خلائف، خلفاء، استخلف، یستخلفنّ، مستخلفین، خلف، مخلفین، وغیرہ کم از کم سینتیس ۳۷ بار استعمال ہوئے ہیں اور اگر اس فہرست میں خلف (پیچھے) کو بھی شامل کر لیا جائے (جو اٹھارہ بار استعمال ہوا ہے) تو ان کی تعداد پچپن تک پہونچ جاتی ہے۔

اسی طرح احادیثِ نبویہ میں بھی خلیفہ، خلفاء، خَلَفُ، یخلف، یستخلف وغیرہ الفاظ کثرت سے استعمال ہوئے ہیں۔

اس لئے بحیثیت مسلمان ہمارا فریضہ ہے کہ ان اصطلاحات کا صحیح مفہوم جاننے اور متعین کرنے کی کوشش کریں۔ یہ مسئلہ اس لئے اور بھی اہم ہو جاتا ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ دور نبوت میں اور اس کے بعد صحابۂ کرامؓ، تابعین عظام اور صدر اوّل کے فقہاء و محدثین نے ان اصطلاحات کا جو مفہوم سمجھا اور سمجھایا تھا زمانہ مابعد کے بعض مفسرین، واعظین اور مفسرین نے اپنی تحریروں اور تقریروں میں اس مفہوم کو باقی نہیں رکھا اور ان اصطلاحات کے ساتھ ایسے تصورات وابستہ کر دئے جنہیں فقہائے امت اور علمائے حق نے ہر دور میں نہ صرف غیر صحیح، بلکہ مبنی بر شرک قرار دیا ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ "خلیفۃ" اور "خلافۃ" وغیرہ الفاظ خلَف کے مادے سے مشتق ہیں۔ عربی لغت کے اعتبار سے "خلف" ضد ہے "سَلَف" کی اور جس طرح سَلَفَ کے

معنی ہیں پہلے گزر جانا، اسی طرح خلف کا مفہوم ہے کسی کے پیچھے آنا، کسی کے بعد آکر اس کی جگہ لینا، صحابہؓ و تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین اور سلف صالحین نے قرآنی آیات اور احادیثِ نبویہ کے متعلقہ نصوص کی تفہیم و تشریح اسی اعتبار سے کی ہے۔

خلافۃ اور استخلاف وغیرہ کے قبیل کی اصطلاحات قرآن کریم میں اس سنت الٰہیہ کے اظہار اور اعادہ کے لئے استعمال کی گئی ہیں، جس کے تحت اللہ تعالےٰ ابتدائے آفرینش سے لے کر آج تک اپنی پیدا کردہ امتوں اور افراد کو اس کائنات کے منظر نامہ سے ہٹا کر معزول و برخاست کر کے یا ہلاک کر کے دوسروں کو سامنے لاتا ہے، یہ استخلاف اور جانشینی کبھی انعام کے طور پر عطا کی جاتی ہے، کبھی امتحاناً، کبھی کسی اور سبب سے۔

امتحاناً جانشینی کی مثال سورۃ الانعام کی آیت ۱۶۵ ہے، فرمایا گیا ہے:

وھوالذی جعلکم خلائف الارض	اور وہی ہے، جس نے تمہیں زمین میں ایک دوسرے کا
ورفع بعضکم فوق بعض درجٰت	جانشیں بنایا اور تم میں سے بعض کا رتبہ بعض کے مقابلہ
لیبلوکم فی ما اٰتٰکم ہ	میں بلند کیا، تاکہ تمہیں آزمائے اس میں جو اس نے
	تمہیں دیا۔

اسی امتحانی جانشینی کو سورۂ یونس آیہ ۱۴ میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

آیات بالا میں جو فرمایا گیا ہے: "تاکہ تمہیں آزمائے، اس میں جو اس نے تمہیں دیا" اس سے واضح ہوتا ہے کہ زمین میں ایک گروہ یا قوم کو ہٹا کر دوسرے گروہ یا قوم کو اس کی جگہ کھڑا کرنا دراصل ایک کو ہٹا کر دوسرے کو کام کا موقعہ دینا ہے، جس کا مقصد منجملہ دیگر باتوں کے اس بات کا امتحان کرنا ہے کہ لوگ عزت، دولت یا اقتدار پا کر کس طرح اپنے معبود حقیقی کا شکر بجا لاتے ہیں اور اس امانت کا حق ادا کرتے ہیں جو اس کے سپرد کی گئی ہے۔

اسی سنت الٰہی کے تحت ان لوگوں کو حشمت و شوکت عزت و اقتدار انعام خداوندی کے طور پر عطا کیا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور انبیاء و رسلؑ کے اتباع میں ہر قسم کے مصائب و آلام کو جھیلتے ہیں اور اپنی جان و مال کی قربانی پیش کرنے میں دریغ نہیں کرتے، اسی حشمت و شوکت اور عزت و اقتدار کا دوسرا نام خلافتِ ارضی بھی ہے، جس کا ذکر سورہ النور (آیہ ۵۵)

میں فرمایا گیا ہے:

"وعدہ کیا اللہ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے تم میں سے اور جنہوں نے نیک عمل کئے کہ ضرور بنائے گا ان کو خلیفہ زمین میں، جیسا کہ اس نے خلیفہ بنایا ان سے پہلوں کو"

مندرجہ بالا آیت میں استخلاف (جانشینی) کے لفظ کو دوبارہ استعمال کیا گیا ہے۔ ایک بار اصحابِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے اور دوسری بار ان گروہوں اور امتوں کے لئے جنہیں ان سے پہلے زور واقتدار دیا گیا تھا۔ اس آیت کریمہ کو مفسرین نے قرآن کریم کی عظیم پیش گوئیوں میں سے ایک شمار کر کے خود کلامِ الٰہی کی حقانیت اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے ثبوت کے طور پر پیش کیا ہے۔ خلافت وجانشینی کا یہ ربّانی وعدہ بایں طور پورا ہوا کہ وہی گروہ جو ابتدائے رسالت کے ایام میں مستضعفین (کمزوروں اور زیردستوں) میں شمار ہوتا تھا، چند سالوں کے اندر اندر اسے وہ شوکت ومنزلت حاصل ہوئی کہ روحانی بلندیوں کے ساتھ ساتھ اسے زمینی خلافت وحکومت سے بھی سرفراز کیا گیا۔ اس آیت پر علامہ ابن کثیر نے جو تبصرہ کیا ہے، اس کے بعض اجزاء ملاحظہ ہوں:

"اس میں اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ وہ آپ کی امت کے افراد کو زمین پر خلفاء، لوگوں کا امام اور ان پر حکمران بنائے گا اور ان کے ذریعہ ملکوں کی اصلاح کرے گا، بندگانِ خدا کو ان کے آگے سرنگوں کرے گا اور خوف کے بدلے انہیں امن اور حکومت عطا فرمائے گا، چنانچہ اللہ نے یہ کر دکھایا۔۔۔ اور (اصحابِ محمدؐ میں سے) چار خلفاء پیدا کئے، یعنی پہلے ابوبکر، پھر عمر، پھر عثمان پھر علی رضی اللہ عنہم" (تفسیر ابن کثیر، ج ۳، ص ۳۰۰)

ایمان پانے والے گروہ کو دی جانے والی یہی خلافت وحکمرانی ان امم اور قرون کے لئے تازیانۂ سرزنش بن جاتی ہے جو فتنہ وفساد، کفر وشرک اور معصیت ونافرمانی کی مرتکب ہوتی ہیں، اسی سنتِ الٰہی کے تحت قومِ نوحؑ، قوم عادؑ، قومِ ثمودؑ اور قوم فرعون کو خلافتِ ارضی سے محروم کر کے دوسروں کو ان کا وارث اور جانشین بنایا گیا ہے ——— چنانچہ

ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

"اور یاد کرو جب ہم نے تم کو خلفاء بنایا قومِ نوحؑ کے بعد اور زیادہ دیا تم کو بدن میں پھیلاؤ" (الاعراف ۶۹)

یہ بات نہ صرف قرآن و حدیث کی نصوص سے واضح ہے، بلکہ تاریخی طور پر ثابت شدہ حقیقت بھی ہے کہ قومِ نوح کے کفر و شرک اور فتنہ و فساد کا پیمانہ جب لبریز ہو گیا تو معدودے چند مومنین کے علاوہ پوری کی پوری قوم کو غرقِ طوفان کر کے نیست و نابود کر دیا کہ نہ کہیں جنازہ اٹھا نہ مزار بنا۔ اس کے بعد قوم عاد، ثمود اور قوم ثمود کو باری باری تمکن فی الارض (استخلاف) کی نعمت سے نوازہ گیا، قومِ نوحؑ ہی کی طرح یہ قومیں بھی مقصدِ تخلیق سے انحراف کی روش پر گامزن ہوئیں اور اپنے زمانہ کے پیغمبروں، یعنی حضرات ہودؑ، صالح اور موسیٰ علیہم السلام کی ایذا رسانی اور نافرمانی پر اصرار کر کے ہلاکت و معزولی کے منطقی انجام کو پہونچیں اور ان کی جانشینی دیگر اقوام کی طرف منتقل کر دی گئی، یہی اللہ تعالیٰ کی ازلی سنت ہے اور یہ سنت انسان کے بدلنے سے بدل نہیں سکتی :

ولن تجد لسنّۃ اللہ تبدیلا۔

خاص لفظ خلیفۃ اپنی اصلی شکل میں قرآن کریم میں دو بار وارد ہوا ہے، یہ آیتیں ہیں :

(۱) "اے داؤدؑ! ہم نے تجھ کو زمین میں خلیفہ بنایا، پس تم لوگوں میں انصاف سے فیصلے کرو" (ص ۲۶)

(۲) "اور جب کہا تیرے رب نے فرشتوں سے : میں بنانے والا ہوں زمین میں ایک خلیفہ" (بقرہ ۳۰)

ان دونوں آیتوں میں بھی خلافت اور جانشینی کی خبر دی جا رہی ہے، ایک میں حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے جو قوم بنی اسرائیل کے برگزیدہ نبی اور فرماں روا ہیں۔ دوسری میں حضرت آدم علیہ السلام کے لئے جو ابو البشر ہیں اور انسانوں میں پہلے نبی ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ ان میں جس خلافت و جانشینی کا ذکر کیا جا رہا ہے وہ کس کی ہے ؟ متاخرین میں سے بعض مفسرین نے بے شک یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ خلافت و جانشینی خود اللہ تعالیٰ کی نیابت و قائم مقامی ہے، مگر یہ نظریہ نہ اسلام کے عقیدۂ توحید سے ہم آہنگ ہے، نہ صحابہؓ و

تابعین اور صدرِ اوّل کے فقہا، و محدثین کی تشریحات کے مطابق ہے۔

ان میں سے پہلی آیت (ص ۲۶) میں جو بات کہی گئی ہے، وہ یہ ہے کہ: "اے داؤدؑ! ہم نے تم کو ان انبیاء و سلاطین کی جانشینی سے سرفراز کیا، جو قومِ بنی اسرائیل میں تم سے پہلے گزر گئے، اب شکرانِ نعمت کے طور پر تم سے مطلوب یہ ہے کہ تم لوگوں کے درمیان عدل و انصاف کے ساتھ حکومتی فیصلے کرو۔ تفسیر ابن عباسؓ میں اس کی تشریح اس طرح کی گئی ہے:

"اے داؤدؑ! ہم نے تم کو زمین میں ایک خلیفہ بنایا، یعنی انبیاء و ملوک بنی اسرائیل کا جانشیں۔ پس تم لوگوں کے درمیان عدل کے ساتھ فیصلے کرو۔"

علامہ ابن کثیر نے اس کی تفسیر اس طرح کی ہے:

"اللہ تعالیٰ نے ان کی (داؤدؑ کی) ذات میں نبوت اور خلافت جمع کر دی، پھر اپنی کتاب میں ان سے عہد لیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (یاداؤد إنا جعلناك خليفة فى الارض.....)

اب ظاہر ہے کہ وہ تمام لوگ جو ان سے پہلے نبوت و سلطنت کے مناصب پر فائز رہ چکے تھے، تھے نسلِ انسانی ہی کے افراد، اسلئے حضرت داؤد علیہ السلام کو ربانی عطیہ کے طور پر انہیں کی جانشینی اور وراثت سے سرفراز کیا گیا۔ جہاں تک سوال ہے اللہ تعالیٰ کا تو وہ اپنی ذات اور صفات کے اعتبار سے ازلی بھی ہے اور ابدی بھی، اوّل بھی ہے آخر بھی، ظاہر بھی ہے باطن بھی، اس کی بادشاہی کو نہ ضعف ہے نہ زوال، بلکہ وہ تو خود دوسروں کو عزت و دولت، حکومت و سلطنت اور نبوت و رسالت کے اعزازات تقسیم کرتا ہے، اس لئے حضرت داؤد علیہ السلام اور کسی دوسرے انسان کو عطا کی جانے والی خلافت خود اللہ تعالیٰ کی جانشینی و قائمقامی نہیں ہو سکتی۔

دوسری آیت زیر بحث (واذ قال ربّك للملائكة إنّى جاعل فى الارض خليفة ۔ (البقرة: ۳۰) ــــــ نسبتاً زیادہ غور و فکر کا مطالبہ کرتی ہے، اس میں ایک اعلیٰ پیمانہ کی بلاغت اور فنکارانہ ابہام ہے، اسلئے ایک سے زیادہ تعبیریں ممکن ہیں، غالباً یہی وجہ ہے کہ اس ایک آیت کی تفسیر میں گذشتہ چودہ صدیوں میں اتنا کچھ کہا اور لکھا جا چکا ہے کہ اگر اس سب کو

ایک جگہ دفتروں میں جمع کر لیا جائے تو ایک مستقل کتاب ہو جائے، اس کی تشریح و تفسیر میں لوگوں نے اپنی طرف سے بھی خوب خوب جولانی طبع کا مظاہرہ کیا ہے، اس آیت سے بعض زرخیز ذہنوں نے نہ صرف یہ کہ انسان کے لئے خلافت الٰہیہ و نیابتِ خداوندی کا منصب ثابت کیا ہے بلکہ یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ تخلیق انسانی کی غایت اولیٰ اور اس کا نصب العین یہی ہے کہ انسان اللہ کے نائب اور خلیفہ کی حیثیت سے زمامِ اقتدار ہاتھ میں لے کر ایک وسیع الاختیار حکومت یا خلافت قائم کرے اور اسے "حکومتِ الٰہیہ" کا نام دے۔

مگر آیت کا ثابت شدہ مفہوم ہر گز یہ نہیں ہے، اس کا حقیقی مفہوم صرف اس قدر ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی مشیت کو یوں منظور ہوا کہ اس کائنات میں اب تک جو مخلوقات برپا کی جا چکی ہیں اب ان کے بعد ایک نئی مخلوق (آدمؑ اور اولادِ آدم) کو پیدا کر کے زمین پر متصرف اور متمکن کیا جائے، تو اس نے ملائے اعلیٰ میں اپنے اس فیصلے کا اعلان فرمایا، چنانچہ انسان ایک تو اس لئے زمین کا خلیفہ کہلایا کہ وہ زمین پر آباد رہنے والی بعض دیگر مخلوقات کے بعد آیا، جیسا کہ مستند آثار و اخبار سے ثابت ہوتا ہے، زمین پر انسان سے پہلے فرشتے اور جنات برپا کئے جا چکے تھے، انسان ان کا وارث اور جانشیں (خلیفہ) بنا۔

انسان اسلئے بھی خلیفۂ ارضی کہلایا کہ جمادات و نباتات کے برعکس تولیدی طور پر نسلاً بعد نسلٍ اس کی اولاد کا سلسلہ قیامت تک چلے گا، جن میں تمام بعد کو آنے والے اپنے سے پہلے گزر جانے والوں کے خلفاء اور جانشیں کہلائیں گے۔

اس کے علاوہ اصطلاحی معنیٰ (حاکم) کے اعتبار سے بھی انسان خلیفہ ہے، کیوں کہ اس سرزمین پر اب انسان ہی کو تمکن، اقتدار اور تصرف دیا گیا ہے، یہی وہ توجیہات و تشریحات ہیں جو صحابۂ کرامؓ، تابعین عظام اور علمائے سلف سے ثابت ہیں۔[1]

---

(۱) فاضل مقالہ نگار نے اس موقعہ سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا قول تفسیر عباس شیخ زادہ علی البیضاوی، تفسیر طبری کا اقتباس، طبری ہی سے حسن بصری کا قول، فتح القدیر سے شوکانی اقتباس اور اس طرح کے متعدد حوالہ جات و اقتباسات اپنے موقف کی تائید میں نقل کئے ہیں، جن کو از راہِ اختصار حذف کر دیا گیا ہے۔ (رحمانی)

قرآنی دلائل ہی کے سلسلہ میں دو مزید لطیف نکتوں کی طرف اشارہ کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے، جن سے اس موقف کی مزید تصویب ہو جاتی ہے کہ قرآن کریم نے انسان کو ملنے والی خلافت کو ہرگز اللہ تعالیٰ کی خلافت و جانشینی قرار نہیں دیا۔

پہلی بات یہ ہے کہ مروجہ تصور کے برعکس عربی میں لفظ خلیفہ لفظ نائب کا مترادف نہیں ہے اس لئے یہ کہنا غلط ہے کہ فلاں شخص فلاں ہستی کا بہ یک وقت "نائب" بھی ہے اور "خلیفہ" بھی، "خلافت" کا قریب ترین متبادل، جیسا کہ گذشتہ صفحات میں عرض کیا گیا "وراثت" اور جس طرح وراثت ایسی چیز نہیں کہ وارث کو مورث کی موجودگی میں مل جائے اسی طرح کسی ممکنہ خلیفہ کو خلافت بھی مستخلف کی موجودگی میں نہیں مل سکتی، اس کے برعکس "نیابت" کے معنیٰ تمثیل یا نمائندگی کے ہیں جو نائب کو صرف اور صرف اصل کی زندگی میں حاصل ہوتی ہے، رشتۂ زیست کے ٹوٹتے ہی نیابت کا سلسلہ بھی منقطع ہو جاتا ہے، اسلئے نائب کا جو قریب ترین متبادل یا مترادف لفظ قرآن کریم نے استعمال کیا ہے وہ ہے "وزیر" نہ کہ "خلیفہ" چنانچہ حضرت موسیٰ جب اپنی موجودگی میں اپنی معاونت کے لئے اللہ تعالیٰ سے ایک نائب یا اسسٹنٹ (Assistant-) مانگتے ہیں تو یوں عرض کرتے ہیں:

"(اے اللہ) میرے خاندان سے میرے لئے ایک وزیر (نائب) مقرر کر دے، ہارون کو جو میرا بھائی ہے، اس کے ذریعہ میری کمر کو مضبوط کر دے اور اسے میرے کام میں شریک کر دے۔" (طٰہٰ ۲۹، ۳۰)

اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے نبی برحق کی دعا کی قبولیت کا جب اعلان فرمایا تو اس میں بھی حضرت ہارون علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خلیفہ نہیں وزیر فرمایا:

"اور ہم نے موسیٰؑ کو کتاب دی اور اس کے بھائی ہارونؑ کو وزیر (مددگار) بنایا۔" (الفرقان ۳۵)

لیکن یہی حضرت موسیٰ علیہ السلام جب چالیس دن کے لئے آبادی سے کنارہ کر کے عبادات و مناجات کے لئے تشریف لے جاتے ہیں تو اپنے برادر عزیز ہارون علیہ السلام کو اپنی جگہ اپنا خلیفہ مقرر کر دیتے ہیں اور فرماتے ہیں:

اخلفنی فی قومی واصلح ۰ (الاعراف) — میری خلافت کرو، میری قوم میں اور (لوگوں کی) اصلاح کرو۔

"خلافت" اور "وزارت" کا یہی فرق نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمودات میں بھی نمایاں ہوکر ابھرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ آپؐ نے اپنے بعد اپنی احادیث وسنن کے راویوں کو اپنے "خلفاء" کے نام سے یاد کیا: اَللّٰھُمَّ ارحم خلفائی الذین من بعدی، الذین یروون احادیثی وسنتی ویعلّمونہا الناس"۔ رواہ الطبرانی عن علیؓ

نیز یہی وجہ ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما آپؐ کے بعد آپؐ ہی کے فرمان کے مطابق آپؐ کے خلفائے راشدین کہلائے: علیکم بسنتی وسنۃ خلفاء الراشدین المھدیین۔ لیکن جب آپؐ نے ذکر فرمایا اپنے انہی دونوں رفقاء کی اس حیثیت کا جو انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے دوران حاصل تھی تو یوں فرمایا:

ھما وزیرای فی اھل الارض۔ (قرطبی، ج ۱، ص ۲۶۸) — یہ دونوں (ابوبکر و عمر) زمین والوں میں میرے وزراء (نائبین) ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ نے جہاں انسان کے لئے خلافتِ الٰہیہ کا جا بجا معنیً انکار کیا ہے وہیں انہوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے بالا ہے کہ اسے کسی "نائب" یا "وزیر" کی ضرورت ہو، ملاحظہ ہو تفسیر ابن عباسؓ (تفسیر الفاتحہ) کا متعلقہ حصہ:

"سارا شکر، ساری یکتائی اور الوہیت اللہ ہی کے لئے ہے، جس کا نہ کوئی بیٹا بیٹی ہے، نہ شریک ہے، نہ مددگار ہے، نہ وزیر ہے"۔

مندرجہ بالا سطور سے یہ بات بخوبی واضح ہوجاتی ہے کہ جو حضرات خلیفہ اور نائب کے الفاظ کو بے تکلف مترادف اصطلاحوں کے طور پر استعمال کرتے ہیں، ان کے پاس نہ قرآن و حدیث کی کوئی سند ہے، نہ لغت ان کا ساتھ دیتا ہے۔

خلیفۃ (البقرہ ۳۰) کی تفسیر کے سلسلہ میں دوسرا نکتہ جو قابلِ غور ہے، اس کا تعلق ہے "اختلافِ قراءات" سے۔ بیشتر مفسرین سلف نے، جن میں علامہ ابن کثیر علامہ طبریؒ اور علامہ زمخشری شامل ہیں۔ حضرت زید بن علیؒ سے خلیفہ کی ایک متبادل

قرأت "خلیقة" (بالقاف) نقل کی ہے، اس قرأت کی روشنی میں آیت مذکورہ کے معنیٰ یوں ہوں گے: "میں زمین میں ایک نئی مخلوق "پیدا کرنے والا ہوں"۔ اس قرأت کو قبول کرنے سے وہ سارا التباس اور سارا ابہام ہی دور ہو جاتا ہے، جس نے ان بحثوں کو جنم دیا تھا کہ آیا انسان کو ملنے والی خلافت ان دیگر مخلوقات کی جانشینی ہے جو اس سے پہلے گزر گئیں یا نعوذ باللہ خود جنابِ باری تعالیٰ کی ہے۔

علامہ سیوطی اپنی کتاب "الاتقان" میں اختلافِ قرأت کے فوائد سے بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بعض صحابۂ کرامؓ نے متن قرآن کے ساتھ ساتھ بعض تفسیری الفاظ بھی اپنے اپنے مصحف میں یادداشت کے طور پر لکھ لئے تھے، اپنے قول کی تائید میں وہ علامہ ابن جوزی کا یہ اقتباس نقل کرتے ہیں:

"اور غالباً وہ (صحابہؓ) اکثر درسِ قرآن کے وقت تفسیری الفاظ بھی (اصل الفاظ قرآنی کے ساتھ) پڑھ دیتے تھے اور بعض نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سیکھے ہوئے الفاظ باقی رکھنے کے لئے اپنی مصحف میں بھی لکھ لئے تھے، مگر اگر کوئی یہ دعویٰ کرے کہ یہ صحابۂ کرامؓ قرأتِ نماز وغیرہ میں ان تفسیری الفاظ کی تلاوت جائز سمجھتے تھے، تو وہ جھوٹ سمجھتا ہے"۔

علامہ سیوطیؒ نے اس طرح کے اختلافِ قرأت کی متعدد مثالیں دی ہیں ـــــ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

"اور ابو عبیدؒ نے "فضائل القرآن" میں کہا ہے کہ شاذ قرأت کا مقصد مشہور قرأت کی تفسیر اور اس کے معانی کی وضاحت کرنا ہے، جیسا کہ حضرت عائشہ و حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما کا یہ قول کہ "الصلوٰۃ الوسطیٰ، العصر" چنانچہ ان کا (ابو عبیدؒ) کا کہنا ہے کہ یہ اور اس طرح کے دوسرے الفاظ درحقیقت قرآن کی تفسیر کا کام انجام دیتے ہیں"۔

(مختصر الاتقان، ص ۱۰۸)

اب چونکہ بشمول تابعین ایسے ائمہ تفسیر گزرے ہیں، جنہوں نے سورۃ البقرہ کی آیتِ

مذکورہ میں"خلیفۃ" کی تفسیر"خلیفۃ" سے فرمائی ہے، اسلئے یہ گمان کرنے کے وجوہ ہیں کہ ان کی یہ تفسیر صحابہ کرامؓ تک پہونچتی ہے، بلکہ شاید ان سے بھی اوپر۔

"خلیفۃ" کا مفہوم، حدیث میں

قرآن کے بعد جب ہم حدیث کی طرف رجوع کرتے ہیں تو"خلیفۃ" اور"خلافۃ" کے گرد پائے جانے والے سارے حقیقی یا خود ساختہ ابہامات یک سر ختم ہو جاتے ہیں، حدیث سے ایک اور اہم نکتہ کی وضاحت بھی ہوتی ہے وہ یہ کہ انسان خواہ کتنے ہی بلند رتبہ پر فائز ہو ہر گز ہر گز اللہ تعالیٰ کی خلافت نہیں کر سکتا، البتہ اللہ تعالیٰ اپنے ہر بندے کی خلافت کرنے پر قادر ہے اور کرتا ہے، وجہ اس کی صاف ظاہر ہے کہ انسان حادث ہے، نوپید ہے، فانی ہے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ واجب الوجود ہے ازلی ہے، ابدی ہے، انسان مرتا بھی ہے، غیر حاضر بھی ہوتا ہے معزول بھی ہوتا ہے، اس لئے اس کی اولاد، اس کے ورثاء، اس کے پس ماندگان کے مفادات کا اللہ ہی محافظ و نگراں بنتا ہے، وارث و خلیفہ بنتا ہے، مگر اللہ تعالیٰ چونکہ خود واجب الوجود ہے"قیوم السمٰوٰت و الارض" ہے، اس لئے وہ نہ غائب ہوتا ہے، نہ مرتا ہے، نہ معزول ہوتا ہے، لہٰذا یہ تصور ہی باطل ہے کہ کوئی اپنے لئے یا کسی دوسرے کے لئے اللہ تعالیٰ کی خلافت و قائم مقامی کا دعویٰ کرے۔

پہلے ہم بعض ایسی احادیث کا مطالعہ کرتے ہیں، جن میں انسان کو اپنی ہی جنس کے دیگر افراد کا خلیفہ قرار دیا گیا ہے:

(۱) من جھز غازیا فقد غزا و من خلفہ فی اھلہ بخیرٍ فقد غزا۔

(البخاری)

جس نے کسی غازی کو ساز و سامان دیا اس نے جہاد کیا اور جس نے بھلائی کے ساتھ اس کے گھر بار میں اس کی خلافت کی اس نے بھی جہاد کیا۔

(۲) .... اللّٰھمّ ھون علینا سفرنا ھٰذا و أطوِ عنّا بُعدہ۔ اَللّٰھُمّ انت الصاحب فی السفر و الخلیفۃ

اے اللہ ہمارے لئے ہمارا یہ سفر آسان فرما دے اور ہمارے لئے اس کی دوری کم کر دے اے اللہ تو اس سفر میں ہمارا ساتھی اور گھر بار

فی الاھل (السلم۔ مسند احمد) کے لئے (ہمارا خلیفہ ہے۔

(۳) انا للہ وانا إلیہ راجعون وانا الی ربنا لمنقلبون۔ اللھم اکتبہ عندک من المحسنین واجعل کتابہ فی علیین واخلفہ فی اھلہ فی الغابرین ولا تحرمنا اجرہ ولا تفتنا بعدہ۔

بے شک ہم اللہ ہی کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں، اور ہم اپنے پروردگار کی طرف پلٹنے والے ہیں یا اللہ تو اس کو اپنے مخلص بندوں میں لکھ لے اور اسکی کتاب علیین میں رکھنے کا فیصلہ فرما اور اسکے پس ماندگان میں تو اس کا خلیفہ (قائم مقام) بن جا اور اسکے اجر سے ہم کو محروم نہ رکھ اور اس کے بعد ہم کو آزمائش میں نہ ڈال۔

اس طرح کی بہت سی حدیثیں ہیں، جن میں "خلافت" اور "خلیفہ" کے الفاظ اپنے حقیقی مفہوم (جانشینی، قائم مقامی اور جانشیں و قائم مقام) ہی میں استعمال ہوئے ہیں، نہ کسی کی موجودگی میں منعقد ہونے والی نیابت اور وزارت کے معنیٰ میں۔

قرآنی نصوص اور احادیثِ نبویہ کے مطالعہ کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم یہ جاننے کی کوشش کریں کہ صحابۂ کرام، تابعینِ عظام اور صدرِ اوّل کے محدثین، فقہاء اور علماءِ دین نے "خلیفہ" اور "خلافۃ" کی اصطلاحات سے کیا مفہوم مراد لیا ہے؟

اس سلسلہ میں سب سے پہلے حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کا فرمان ہماری توجہ کا مستحق ہے، حضرت صدیق اکبرؓ اسلام کے خلیفۂ اوّل ہیں، تمام اہلِ سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آپ انبیاءؑ کے بعد افضل بشر ہیں، اس لئے امتِ محمدیہ میں بالخصوص اگر کوئی شخص "خلافتِ الٰہیہ" کے منصب پر فائز ہونے کا حق دار ہوتا، تو آپ ہوتے، اسی لئے ایک شخص نے آپ کو ایک دفعہ "یا خلیفۃ اللہ" کہہ کر پکارنے کی جسارت کی تو آپ نے فوراً روک دیا اور فرمایا کہ "میں خلیفۃ اللہ نہیں، "خلیفۃ الرّسول" ہوں ——— حضرت عمر بن عبد العزیز نے بھی ایک شخص کو اس لئے سختی سے جھڑک دیا کہ اس نے خلیفہ موصوف کو خلیفۃ اللہ کہنے کی ناروا جسارت کی تھی۔

علمائے اہلِ سنت کے نزدیک تفسیرِ قرآن کے سلسلہ میں کوئی بنیادی بحث اس وقت تک پوری نہیں ہوتی جب تک حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی رائے سے استفادہ

نہیں کیا جاتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اپنی تفسیر میں جا بجا جس طرح خلیفۃ، خلائف، خلفاء، استخلاف وغیرہ کی تفسیر فرمائی ہے، کہ انہوں نے بالالتزام ہر جگہ خلافۃ کو انسانی افراد، گروہوں اور دیگر مخلوقات کی جانشینی اور وراثت کے معنیٰ میں استعمال کیا ہے، نہ کہ اللہ تعالیٰ کی نیابت و قائم مقامی کے مفہوم میں، چنانچہ جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے، سورۃ البقرہ (آیۃ ۳۰) کا مخاطب انہوں نے ملائکہ کو قرار دے کر "خلیفۃ" کی تفسیر بدلاً منکم (تمہارا بدل، تمہیں جیسی دوسری مخلوق) سے کی ہے۔

صحابۂ کرامؓ کے بعد علم میں سب سے ذی مرتبت گروہ تابعین کا ہے، تابعین میں سے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کا موقف پہلے ہی پیش کیا جا چکا ہے کہ انہوں نے اپنی خلافت کو خلافتِ الٰہیہ کہنے کی اجازت نہیں دی اور کہنے والے کو سختی سے روک دیا۔

ایک دوسرے جلیل القدر تابعی حضرت حسن بصری خلیفۃ کی تشریح اس طرح فرماتے ہیں:

"أی خلفًا یخلُف بعضُهم بعضًا، وهم ولد آدم الذین یخلفون أباهم آدمَ ویخلف کل قرن منهم القرن الذی سلف قبله" (تفسیر ابن جریر الطبری)

"یعنی ایسی مخلوق جس کے بعض افراد بعض کے جانشیں بنیں اور جس کی ہر آنے والی نسل پہلے گزر جانے والی نسل کی جانشیں بنے"

ان بے شمار علماء حق میں سے جنہوں نے زمنِ ما بعد میں "خلافۃ" اور "خلیفۃ" وغیرہ کے سلسلہ میں پھیلائے جانے والے باطل تصورات کے مقابلہ میں صحیح اور مبنی بر توحید موقف پیش کیا، چند کا ذکر "مشتے نمونہ از خروارے" کے بہ مصداق پیش کیا جاتا ہے[1]۔

اس ضمن میں سب سے پہلے حوالہ مناسب معلوم ہوتا ہے علامہ ابن تیمیہؒ کا وہ لفظ خلیفۃ کی تعبیر کے سلسلہ میں پھیلی ہوئی غلط فہمیوں کا ازالہ کرتے ہوئے مسلکِ حق کو بایں الفاظ

---

(۱) عالم عرب سے باہر خصوصاً برصغیر ہند و پاک کے ان علماء کا تذکرہ جنہوں نے اس سلسلہ میں صحیح موقف پیش کیا ہے، راقم کی کتاب: "کیا انسان خلیفۃ اللہ ہے" (مکتبہ عزیزیہ اردو بازار جامع مسجد دہلی) میں ملاحظہ فرمایا جا سکتا ہے۔

پیش کرتے ہیں۔

" بعض کہنے والے اور مغالطہ کے شکار حضرات مثلاً ابن عربی یہ گمان رکھتے ہیں کہ "خلیفہ" سے مراد "اللہ کا خلیفہ" ہے، ایسا کہنا اللہ کا نائب کہنے کے مترادف ہے...... حالانکہ اللہ کی ذات وہ ہے کہ اس کی خلافت کسی کے لئے ثابت کرنا جائز نہیں، اسی لئے ابوبکرؓ سے جب لوگوں نے کہا: یا خلیفۃ اللہ! تو انہوں نے کہا: میں خلیفۃ اللہ نہیں خلیفۃ الرسول ہوں اور میرے لئے یہی بس ہے۔ بلکہ (واقعہ یوں ہے کہ) خود اللہ سبحانہٗ تعالیٰ دوسروں کا خلیفہ بنتا ہے (چنانچہ) نبیؐ نے فرمایا: "اے اللہ تو سفر میں ساتھی اور گھر بار کے لئے خلیفہ ہے یا اللہ ہمارے سفر میں ہماری رفاقت کر اور ہمارے گھر والوں میں ہماری خلافت کر، اور ایسا اس لئے کہ اللہ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے، ہر آن موجود ہے، پناہ دینے والا ہے، سنبھالنے والا ہے، نگہبان ہے، محافظ ہے، اور سارے جہاں سے بے نیاز ہے، اس کا نہ کوئی شریک ہے، نہ مددگار اس کے آگے کوئی سفارش نہیں کر سکتا، مگر اس کے اذن سے علاوہ ازیں خلیفہ تو پیش رو کی موت یا غیر حاضری کی صورت میں ہوتا ہے، اس کے لئے لازماً ایک مستخلف (جگہ خالی کرنے والے) کی ضرورت ہوتی ہے اور اسے (اللہ کو) خلیفہ کہا ہی اس لئے گیا، کیوں کہ وہ جہاد (میں شرکت) سے باز رہا اور ان کے (نبیؐ کے) پیچھے قائم رہا، اور یہ تمام معانی (موت، غیر حاضری وغیرہ) اللہ تعالیٰ کے حق میں باطل ہیں اور وہ ان سے مبرا ہے، کیوں کہ وہ ازلی اور ابدی طور پر زندہ ہے اور قائم بالذات ہے، ہمہ وقت موجود ہے، نہ مرتا ہے، نہ غائب ہوتا ہے...... نہ یہ جائز ہے کہ کوئی اس کا خلیفہ بنے یا قائم مقامی کرے، بیشک نہ اس کا کوئی ہم مرتبہ ہے، نہ ہم سر پس جس کسی نے بھی (کسی کو) اس کا خلیفہ بنایا، اس نے اس کو (اللہ کے) ساتھ شرک کیا۔" (فتاویٰ کبریٰ ص ۵۵۳، ج ۲)

ایسا ہی ایک فتویٰ عالمِ اسلام کے سب سے مؤقر دینی مرکزِ تحقیق دار الافتاء یعنی سعودی عرب میں قائم "اللجنۃ الدائمۃ للبحوث العلمیۃ والافتاء" نے جاری کیا ہے۔

سعودی عرب کے دار الافتاء کا فتویٰ درحقیقت اسی عقیدۂ توحید کا اظہار اور اعادہ ہے جس پر ہر دور میں علمائے حق کا اتفاق اور امتِ مسلمہ کا اجماع رہا ہے، اسی اجماع کی طرف مشہور و معروف عالم اور فقیہ علامہ ابوالحسن الماوردی نے اپنی کتاب "الاحکام السلطانیہ" میں بایں الفاظ اشارہ کیا ہے:

" اور (حضرت ابوبکر صدیقؓ کو) خلیفہ کے لقب سے یاد کیا گیا، کیونکہ انہوں نے امت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت کی، پس یہ بھی جائز ہے کہ انہیں خلیفۂ رسول اللہ ؐ کہا جائے، یا مطلقاً "خلیفہ" کے لفظ سے یاد کیا جائے اور اس بارے میں اختلاف ہے کہ انہیں "خلیفۃ اللہ" کہنا جائز ہے، یا نہیں؟ پس بعض نے اسے جائز قرار دیا ہے، بہ وجہ اس کے کہ وہ اللہ کے حقوق اس کی مخلوق میں قائم کرتے تھے..... مگر جمہور علماء نے اسے (خلیفۃ اللہ) کہنے کو جائز قرار نہیں دیا اور ایسا کہنے والے کو فسق و فجور کا مرتکب قرار دیا ہے اور یہ دلیل دی ہے کہ خلیفہ تو اس کا ہوتا ہے جو غائب ہو یا جسے موت آئے، جب کہ اللہ تعالیٰ نہ غائب ہوتا ہے، نہ مرتا ہے، چنانچہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ایک بار یا خلیفۃ اللہ کہہ کر مخاطب کیا گیا تو انہوں نے کہا: "میں خلیفۃ اللہ" نہیں خلیفۃ رسول اللہ" ہوں"۔ (الاحکام السلطانیہ ص۱۵)

امت کے اسی اجماعی عقیدہ کا ذکر علامہ ناصر الدین البانی نے اپنی مشہور کتاب "سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ" میں بھی کیا ہے۔ امام مہدی کے سلسلہ میں حدیث کے ایک جزء سے بحث کرتے ہوئے (جس میں انہیں خلیفۃ اللہ کہا گیا ہے) البانی صاحب لکھتے ہیں کہ حدیث کے اس جزء کے منکر ہونے کے لئے یہی بات کافی ہے کہ اس میں کسی مخلوق کیلئے اللہ تعالیٰ کی خلافت ثابت کی گئی ہے، جو عقیدۂ توحید کے منافی ہے۔

لہٰذا یہ بات بعید از قیاس اور اللہ تعالیٰ کی شانِ قیومیت اور قدرت کے منافی ہے

کہ وہ اپنے احکام کی تنفیذ کے لئے کسی کو اپنا مددگار، نائب یا خلیفہ مقرر کرے، اللہ کی ذات تو وہ ہے کہ: لیس کمثلہ شیئ (الشوریٰ) یعنی اس کے مثل کوئی شئی نہیں، اس لئے حکم دیا گیا کہ: فلا تضربوا للہ الامثال (النحل) یعنی پس نہ تراشو اللہ کے لئے مثالیں۔ مثالیں نہ تراشنے کا مطلب یہی ہے کہ اسے اپنی ذات اور صفات میں یکتا اور بے ہمتا جانو، اس کے لئے نہ شریک ٹھہراؤ، نہ بیٹے، بیٹیاں، نائبیں اور وزراء تراشو، کیونکہ یہ سب چیزیں اس بے آمیز تصور توحید کے منافی ہیں جو دینِ حنیف نے ہمیں دیا ہے۔

اس مسئلہ پر ایک اور پہلو سے بھی غور کرنے کی ضرورت ہے، وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو اللہ کی صفات سے الگ کر کے نہیں سوچا جا سکتا، اس کی ساری صفات اس کی ذات کا لازمی خاصہ ہیں، جو کبھی اس سے جدا نہیں ہو سکتیں۔ اس لئے اگر کوئی شخص اٹھ کر یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں انسان کو اللہ تعالیٰ کا نائب اور خلیفہ مانتا ہوں تو اس کا مطلب یہی نہیں ہے کہ وہ انسان کو نائب اللہ مانتا ہے، بلکہ یہ بھی ہے کہ وہ اسے نائب قیوم، نائب غفار، نائب رزّاق، نائب مہیمن، نائب جبّار، نائب متکبّر بھی مانتا ہے، کیونکہ یہ بات عقلاً محال ہے کہ کوئی شخص یا ہستی اللہ کی ذات میں تو اس کی نیابت اور خلافت کا فریضہ انجام دے، مگر اس کی صفات میں اس کی جانشینی اور قائم مقامی کرنے سے خود کو عاجز پائے۔

اور اگر خلافتِ الٰہیہ کا تصور اسلام کے نظامِ عقائد میں ایسی ہی کلیدی حیثیت رکھتا ہے جیسا کہ اس دور کے بعض مفکرین اور مفسرین دعویٰ کرتے ہیں، تو ان لوگوں کی ان حضرات کی نظر میں کیا پوزیشن ہوگی، جو اس تصور کو نہ خود قبول کرتے ہیں نہ دوسروں کے لئے اس کا قبول کرنا جائز ٹھہراتے ہیں۔

بہر حال امتِ مسلمہ کے لئے بالعموم اور علماء حق کے لئے بالخصوص یہ ایک لمحۂ فکر یہ ہے کہ وہ سوچیں کہ کیا وہ تمام باتیں جنہیں بعض خارجی حالات کی بناء پر وقتی طور پر شہرت مل گئی ہو من وعن قبول کر لی جائیں یا تحقیق و تدقیق کر کے رطب و یابس سے دین و شریعت کے آبِ حیات کو پاک و صاف کرنے کی ضرورت ہے۔

خالد حسین صدیقی (دورۂ حدیث)

حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا ادبی مقام

سلف و خلف کا اتفاق ہے کہ قرآن مجید کے بعد حدیثِ نبوی ﷺ دین کا دوسرا اہم اور بنیادی ماخذ ہے خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کے ساتھ حدیثِ نبوی ﷺ کی اہمیت کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے : اعطیت القرآن ومثلہ معہ کہ اللہ نے مجھے قرآن اور اس جیسا کچھ اور دیا ہے، جمہور متفق ہیں کہ "مثل" سے مراد حدیثِ نبوی ﷺ ہے —— قرآن کریم میں جس طرح اعجاز، بلاغت اور سحر انگیزی اور اثر آفرینی ہے اسی لحاظ سے یہ بات قرینِ قیاس ہے کہ حدیثِ نبوی ﷺ میں بھی اعلیٰ درجہ کی بلاغت، اثر انگیزی اور چاشنی ہو اور وہ ادب کے اونچے معیار پر فائز ہو۔

احادیث میں مفردات کا استعمال

آپ جانتے ہیں کہ ایک لفظ ایک عامی شخص بولتا ہے جو ادبیات سے واقف نہیں ہوتا، اسی کو "صاحبِ زبان" اور "ادب شناس" بولتا ہے تو دونوں میں نمایاں اور واضح فرق نظر آتا ہے، مثلاً اردو زبان میں لفظِ "عشق" ایک عامی بولتا ہے تو اس سے وہی سمجھا جاتا ہے، جو عام طور پر اس ماحول میں معروف و مروج ہے، لیکن اسی لفظ کا استعمال جب شاعرِ مشرق علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں، تو ان کا تصورِ عشق کچھ اور ہوتا ہے۔

یہی حال عربی زبان کا بھی ہے، اسلام اور شارعِ اسلام نے بعض الفاظ کے استعمال میں ایسی معنویت پیدا کر دی ہے، جو عربی اور اسلامی ادب کا گرانقدر سرمایہ ہے۔ ذیل میں اس کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) منکر۔ لغت میں منکر کسی امر سے ناواقف ہونے کو کہتے ہیں[1] لیکن حدیث میں —— اور قرآن مجید میں بھی —— اس کا استعمال برائی اور شر کے لئے ہوتا ہے، چاہے وہ جس درجہ کا ہو، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم

---

(۱) المنجد، ص ۱۰۴۸۔

ارشاد فرماتے ہیں :

لیس منا من لم یرحم صغیرنا ولم یؤقر کبیرنا ، ویأمر بالمعروف وینہ عن المنکر[1]

وہ ہم میں سے نہیں، جو چھوٹوں پر شفقت، بڑوں کی توقیر، اور نہی عن المنکر اور امر بالمعروف نہ کرے۔

گویا اس طرف اشارہ کردیا گیا کہ برائی کو ہمارے سماج میں غیر معروف اور مجہول ہونا چاہیے۔

(۲) سنۃ : لغتاً ان معنوں میں استعمال ہوتا ہے : شریعت، خصلت، طریقہ، دائرہ[2] ــــــ لیکن ہم جب حدیث میں سنت کا لفظ بولتے ہیں تو اس سے وہ طریقہ سمجھ میں آتا ہے، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، اور خلفائے راشدین کا ہو، احادیث میں بکثرت اس کی مثالیں ملتی ہیں، مثلاً :

حدثنا عکرمہ قال صلی بنا ابو ھریرۃ فکان یکبر اذا رفع واذا وضع فاتیت ابن عباس فاخبرتہ بذلک ، فقال اولیس ذلک سنۃ ابی القاسم صلی اللہ علیہ وسلم[3]

عکرمہؓ کہتے ہیں کہ ہمارے ساتھ ابوہریرہؓ نے نماز پڑھی، وہ اٹھتے بیٹھتے تکبیر کہتے تھے، میں ابن عباسؓ کے پاس آیا اور اس کی خبر دی، تو انہوں نے فرمایا، کیا یہ ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت نہیں ہے۔

..... فسیری اختلافا کثیرا فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین[4]

عنقریب بہت سے اختلافات رونما ہوں گے، تو تم لوگ میری اور میرے ہدایت یافتہ اور نیک خلفاء کی سنت تھامے رہنا۔

(۳) بَلَّ : یہ باب "نصر ینصر" سے تر کرنے کے معنیٰ میں آتا ہے[5]۔ دیکھئے یہ لفظ حدیث میں کس معنیٰ میں استعمال ہوا ہے :

...... یا فاطمہ انقذی نفسک من النار فانی لا املک لکم من اللہ شیئا، غیر ان لکم رحما، سابلھا ببلالھا[6]۔

اے فاطمہؓ! اپنے آپ کو آگ سے بچاؤ، اس لئے کہ میں تم لوگوں کے لئے اللہ کے مقابلہ کسی چیز کا مالک نہیں، ہاں رحمی رشتہ ہے (جس کے ناطہ) میں صلہ رحمی کروں گا۔

شارح مسلم امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں قطع رحمی کو حرارت سے تشبیہ دیا گیا ہے،

---

(۱) ترمذی، ج ۲، ص ۱۴ — (۲) مصباح اللغات، ص ۳۹۹

(۳) طحاوی، ج ۱، ص ۱۲۰ — (۴) ابوداؤد، ج ۲، ص ۶۳۵

(۵) مصباح، ص ۹۱ — (۶) مسلم، ج ۱، ص ۱۱۴۔

اور صلہ رحمی کو بجھا دینے سے : ومعنی الحدیث ساصلها، شبهت قطعیة الرحم بالحرارة ووصلها باطفائها الحرارة ببرودة[1]۔

(۴) **معروف :** پہچاننے اور جاننے کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے[2] حدیث میں یہ لفظ عام بھلائی کے کاموں کے لئے استعمال ہوتا ہے، عموماً یہ لفظ منکر کے مقابلہ میں استعمال کیا جاتا ہے ۔ ارشادِ نبوی ؐ ہے:

فتنة الرجل فی اهله وولده وجاره تکفرها الصلوٰة والصدقة والمعروف[3]۔

انسان کے بال بچوں اور پڑوسیوں کے فتنہ کا کفارہ نماز، صدقہ اور معروف بن جاتی ہیں ۔

(۵) **صدقۃ :** لغت میں مطلقاً خیرات دینے کو کہتے ہیں[4]۔ لیکن حدیث میں اس کا اطلاق ہر بھلائی اور نیک کام پر کیا جاتا ہے ، مثلاً :

(الف) اذا انفق المسلم نفقة علیٰ اهله ویحتسبها کانت له صدقة[5]۔

جب مسلمان اپنے اہل و عیال پر کارِ ثواب سمجھتے ہوئے کچھ خرچ کرتا ہے تو وہ اس کے لئے صدقہ بن جاتا ہے ۔

(ب) تبسمك فی وجه اخیك لك صدقة وامرك بالمعروف ونهیك عن المنكر لك صدقة وارشادك الرجل فی ارض الضلال لك صدقة وبصرك للرجل الردیٔ البصر لك صدقة واماطتك الحجر والشوك والعظم من الطریق لك صدقة وافراغك من دلوك فی دلو اخیك لك صدقة[6]۔

تمہارا اپنے بھائی کے سامنے مسکرانا، یہ تمہارے لئے صدقہ ہے ، تمہارا بھلائی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا تمہارے لئے صدقہ ہے ، تمہارا کسی آدمی کی ناواقف جگہ میں رہنمائی کرنا تمہارے لئے صدقہ ہے ، تمہارا کم دیکھنے والے کو راستہ دکھا دینا تمہارے لئے صدقہ ہے ۔ اور تمہارا اپنے ڈول سے دوسرے بھائی کے ڈول میں پانی بھر دینا یہ بھی تمہارے لئے صدقہ ہے ۔

حدیثِ نبوی ؐ میں بلاغت

اگر حدیثِ نبوی ؐ کو علم معانی کی کسوٹی پر پرکھا جائے تو وہ نہ صرف اس کے معیار پر پورا اترتا ہے

---

(۱) شرح مسلم للنووی علی مسلم، ج ۱، ص ۱۱۴۔
(۲) المنجد، ص ۶۶۴۔
(۴) المنجد، ص ۵۶۰۔
(۵) بخاری، ج ۲، ص ۸۰۵۔
(۶) ترمذی، ج ۲، ص ۱۷۔

بلکہ ادب کا ایک شاہکار اور فقید المثال نمونہ نظر آتا ہے۔ آئیے ہم علم معانی کے چند اصول اور حدیث سے اس کی مثالوں کا مطالعہ کرتے ہیں:

۱۔ مفردات کے استعمال میں علم معانی کے محققین چند اصول بتاتے ہیں، کہ اگر ان کی رعایت کی جائے تو وہ کلام معیاری سمجھا جاتا ہے، جیسے:

(الف) کوئی ایسا لفظ استعمال نہ کیا جائے جو زبان پر گراں محسوس ہو اور اس کے نطق وادائیگی میں یک گونہ تکلف سے کام لینا پڑے۔

(ب) لفظ ایسا بولا جائے، جو غیر مروج اور نامانوس نہ ہو اور اس کی مراد واضح ہو۔

(ج) اس لفظ کو جس مفہوم کے لئے وضع کیا گیا ہو، وہ کلمہ اس کے خلاف کسی اور مفہوم کو نہ بتاتا ہو۔

اسی کو علماء معانی ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں: فالفصاحۃ فی المفرد خلوصہ من تنافر الحروف و مخالفۃ القیاس اللغوی[1]۔

دفتر حدیث کا مطالعہ کیجئے گا تو معلوم ہوگا کہ حدیث نبوی ان تمام ضعف اور سقم سے خالی ہے۔

۲۔ اسی طرح مرکبات اور جملوں میں جن اصول کی رعایت کی جاتی ہے، وہ یہ ہیں:

(الف) کلام اور جملہ کی ترکیب اس انداز سے نہ کی جائے کہ وہ عربی زبان کے ماہرین کے مقرر کئے ہوئے مشہور نحوی قانون کے خلاف ہو، جیسے کہ ضمیر اس کے مرجع سے پہلے ذکر کر دی جائے۔

(ب) تقدیم و تاخیر اور حذف و تقدیر کی وجہ سے کلام کا مفہوم واضح نہ ہو سکے، یا متکلم کی جو مراد ہو، اس کی جانب ذہن کا تبادر جلد نہ ہو سکے ـــــــ علمائے معانی اسی کو یوں بیان کرتے ہیں ـــــــ والفصاحۃ فی الکلام خلوصہ من ضعف التالیف و تنافر الکلمات و التعقید مع فصاحتھا[2] ـــــــ چنانچہ حدیث نبوی میں اس کی پوری پوری رعایت کی گئی ہے۔

۳۔ کنایہ دنیائے ادب کے ستونوں میں سے ایک اہم ستون ہے، اس کی تیسری قسم یہ ہے کہ اس میں محض ایک چیز کا ثبوت مقصود ہوتا ہے اور اس کی تصریح جملے میں نہیں ہوتی، مثلاً میں یہ کہوں

---

(۱) مختصر المعانی، ص ۱۴۔ (۲) مختصر المعانی، ص ۱۸۔

"زید کے گھر میں ہی جود وسخا اور مروت ہے"۔ اس جملہ کا مقصد یہ ہے کہ زید کا جود وسخا اور مروت ثابت ہو گو کہ جملہ میں اس کی تصریح موجود نہیں ہے، کہ یہ اوصاف اسی کے ساتھ خاص ہیں، حدیث میں اس کی مثال ملتی ہے، مثلاً: المسلم من سلم المسلمون من لسانہ و یدہ[1]۔ اس جملہ میں ایذاء دینے والے سے صفت اسلام کی نفی کرنی مقصود ہے، جو کہ جملہ میں مذکور نہیں ہے: فانہ کنایۃ عن نفی صفۃ الاسلام عن الموذی و ھو غیر مذکور فی الکلام[2]۔

۴۔ استعارہ کا ایک قاعدہ یہ ہے کہ مشبہ بول کر مشبہ بہ مراد لیا جائے، اس کی مثال حدیث میں دیکھئے:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ یقول اذا اخذت کریمتی عبدی لم یکن لہ جزاء الا الجنۃ[3]۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ جب میں اپنے بندہ کی دو محبوب چیز (آنکھ) کو لے لیتا ہوں تو اس کا بدلہ میرے نزدیک صرف جنت ہے۔

اس مثال میں آنکھ کو "کریمہ" سے تعبیر کیا گیا ہے، جس کے معنیٰ مکرم اور محبوب کے ہوتے ہیں، گویا کہ وجہ شبہ دونوں میں آنکھ کا انسانی اعضاء میں مکرم ہونا ہے، اسلئے اسے "کریمہ" کہہ دیا گیا، یعنی مشبہ بول کر مشبہ بہ مراد لیا گیا۔

خطبات

اپنی بات کو دوسروں کے سامنے پیش کرنے کے لئے قوت خطابت از بس ضروری ہے، خطبہ میں خطیب کے سامنے چند چیزیں ہوتی ہیں، جن کی وہ رعایت کرتا ہے اور یہ اس کے لئے ضروری ہیں:

(۱) خطیب ایسی زبان بولے اور ایسے سہل اور آسان جملے سامنے رکھے کہ مخاطب بات کو پوری طرح سمجھ جائے اور اسے کوئی دقت و دشواری پیش نہ آئے۔

(۲) موقع اور حال کو دیکھتے ہوئے خطبہ میں طوالت یا اختصار اختیار کرے، کیونکہ اس طرح

---

(۱) بخاری، ج ۱، ص ۶۔ (۲) مختصر المعانی، ص ۳۹۴۔

(۳) ترمذی، ج ۲، ص ۶۵۔

جو بات کہی جائے گی وہ دل میں اترنے والی ہوگی

(۳) ترغیب و تحریض مقصود ہو یا انذار و تہدید، اسی کے مطابق اسلوبِ کلام اختیار کیا جائے۔

(۴) پر تکلف قافیہ آرائی سے بچے اور سیدھے سادھے اور فطری انداز میں خطبہ دے۔

جب ہم اس نقطۂ نظر سے حدیث نبویؐ میں خطبات کا مطالعہ کرتے ہیں، جو آنحضورؐ نے مختلف مواقع اور مختلف جگہوں پر دئے ہیں، تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپؐ نے سامعین کی شہ رگ پر انگلی رکھ دی ہو، اور ان کو اچھے اور حکیمانہ انداز میں سمجھا دیا ہو اور وہ بات ان کے دل میں اتر گئی ہو، ذیل کی روایت پڑھ جائیے، اس میں خطبہ کا پس منظر بھی ہے اور خطبہ میں وہ سلاست اور سادگی بھی جو آبِ زر سے لکھے جانے کے لائق ہے:

"جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبائلِ عرب میں اور قریش میں حسبِ منشاء بڑے بڑے عطایا دئے اور انصار کو کچھ نہ دیا، تو انصار کی ایک جماعت نے اپنے دل میں کچھ انقباض محسوس کیا، یہاں تک کہ ان میں چہ میگوئیاں بڑھ گئیں اور کہنے والے نے کہہ دیا کہ اللہ کی قسم حضورؐ اپنی قوم سے مل گئے، آپؐ کے پاس سعد بن عبادہؓ آئے اور کہا کہ اللہ کے رسولؐ! انصار کی ایک جماعت آپؐ کے خلاف اپنے جی میں انقباض محسوس کرتی ہے، اس وجہ سے جو آپؐ نے مالِ غنیمت کے سلسلہ میں کیا ہے اور آپؐ نے اپنی قوم میں تقسیم کر دیا، آپؐ نے قبائلِ عرب کو بڑے بڑے عطایا دئے اور انصار کی اس جماعت کو کچھ نہ دیا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سعد! اس معاملہ میں تم کدھر ہو؟ انہوں نے کہا کہ میں بھی قوم کی جانب ہوں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اپنی قوم کو یہاں جمع کرو، پس مہاجرین میں سے بھی کچھ آگئے، ان کو اجازت مل گئی، وہ اندر آجائیں، کچھ دوسرے لوگ بھی آئے لیکن ان کو واپس کر دیا، جب سب لوگ جمع ہو گئے تو حضرت سعدؓ آئے اور کہا کہ انصار کی جماعت حاضر ہے ان کے پاس حضورؐ تشریف لائے اور اللہ کی شان کے مطابق حمد و ثناء بیان کی، پھر فرمایا، اے انصار کی جماعت! وہ کیا بات ہے، جو تم لوگوں کے بارے میں مجھ تک پہونچی ہے اور وہ کیا رنجش ہے جس کو تم اپنے جی میں محسوس کر رہے ہو؟ کیا میں تمہارے پاس اس حال میں نہ آیا کہ تم لوگ گمراہ تھے، اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ ہدایت دی؟

فقیر تھے، میرے ذریعہ غنی کیا؟ باہم دست و گریباں تھے، اللہ نے تم کو جوڑ دیا، انصار نے کہا، اللہ اور اس کے رسولؐ کا بہت احسان و فضل ہے، پھر فرمایا، اے گروہِ انصار! تم مجھے جواب کیوں نہیں دیتے؟ انصار نے کہا ہم کیا جواب دیں، "اللہ اور اس کا فضل و احسان ہے"۔ حضورؐ نے فرمایا، ہاں! اگر چاہو تو یہ کہہ سکتے ہو، اور اگر کہو گے تو سچ کہو گے اور میں تمہاری تصدیق کروں گا کہ آپ جھٹلائے ہوئے آئے، ہم نے تصدیق کی، بے یار و مدد گار آئے، ہم نے مدد کی، دھتکارے ہوئے آئے ہم نے ٹھکانہ دیا، تنگ حال آئے ہم نے غم خواری کی ـــــ کیا تم اپنے دل میں اے انصار کی جماعت! دنیا کی اس حقیر چیز کی وجہ سے انقباض محسوس کر رہے ہو، جس کے ذریعہ میں نے کچھ لوگوں کی تالیف کی ہے، تاکہ وہ اسلام قبول کریں، اور میں نے تمہیں تمہارے اسلام کے سپرد کر دیا، اے گروہِ انصار! کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ لوگ اونٹ اور بکری کو لے کر واپس ہوں اور تم اللہ کے رسولؐ کو لے کر اپنے گھروں کو جاؤ، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں محمدؐ کی جان ہے جس کو لے کر وہ لوٹ رہے ہیں وہ اس سے بہتر نہیں جس کو لے کر تم لوٹ رہے ہو، اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار کا ایک فرد ہوتا، اگر لوگ ایک گھاٹی اور وادی میں چلیں اور انصار ایک گھاٹی اور وادی میں، تو میں انصار کی گھاٹی اور وادی میں چلوں، انصار تو شعار ہیں اور لوگ دثار ہیں ـــــ پروردگار! انصار پر، ان کی اولاد پر اور ان کی اولاد کی اولاد پر رحم فرما ـــــ راوی کہتے ہیں کہ قوم رو پڑی، یہاں تک کہ ان کی ڈاڑھیاں تر ہو گئیں اور انہوں نے کہا کہ ہم اللہ کے رسولؐ سے تقسیم اور بٹوارہ کے سلسلہ میں راضی ہو گئے"۔(۱)

ناظرین نے خطبہ کی سلاست، اثر انگیزی اور اچھوتے اسلوب کو سمجھ لیا ہو گا۔ بطور مثال ایک اور خطبہ کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے، جس کو آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوۂ تبوک سے واپس ہوتے ہوئے ایک مقام پر دیا تھا:-

....."اما بعد! سچی بات اللہ کی کتاب ہے، مضبوط ڈوری کلمۂ تقویٰ ہے، بہترین

---

(۱) زاد المعاد، ج ۱، ص ۲۱۰۔

ملت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہے، اور بہترین طریقہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا طریقہ ہے، اچھی بات اللہ کا ذکر ہے، قصص وحکایات میں سب سے اچھا یہ قرآن ہے، بہترین کام وہ ہے جس پر ثابت قدمی اختیار کی جائے اور بدترین چیز دین میں بدعت ہے، بہترین طریقہ انبیاءؑ کا طریقہ ہے، اچھی موت شہداء کی موت ہے، سب سے برا کورپن ہدایت کے بعد گمراہی ہے، بہترین عمل وہ ہے جو نفع بخش ہو اور اچھا طریقہ وہ ہے جس کی اتباع کی جائے، بدترین اندھاپن دل کا اندھاپن ہے اور دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے، جو زیادہ ہو اور غافل کر دینے والا ہو، بری معذرت اس وقت کی ہے، جب کہ موت آرہی ہو، بے سود ندامت قیامت کے دن ہو گی، بعض لوگ وہ ہیں جو نمازِ جمعہ کے لئے تاخیر سے آتے ہیں اور انہیں میں سے بعض وہ ہیں جو اللہ کا تذکرہ برے طریقہ سے کرتے ہیں، جو چیز دل میں جمنے والی ہے، اس میں سب سے اچھا یقین ہے، شک کفر ہے، نوحہ عملِ جاہلیت ہے، خیانت جہنم کی آگ ہے اور نشہ آگ کا انگارہ ہے، شعر یہ ابلیس کی جانب سے ہے اور شراب گناہوں کی جڑ ہے، بری غذا یتیموں کا مال ہے، خوش بخت وہ ہے، جو غیر سے نصیحت حاصل کرے، اور بدبخت وہ ہے جو شکم مادر ہی میں بدبخت ہو جائے، تم میں سے ہر ایک کو چار ہاتھ زمین ہی کی طرف لوٹنا ہے، نیز ہر معاملے کو آخرت کی جانب لوٹنا ہے، عمل کا سرمایہ اس پر خاتمہ ہے، برا خواب جھوٹا خواب ہے، ہر وہ چیز جو آنے والی ہے قریب ہے، مومن کو گالی دینا فسق ہے، اسے قتل کرنا کفر ہے، اور اس کا گوشت کھانا اللہ کی معصیت ہے، اور اس کے مال کی حرمت اس کے خون کی حرمت کی طرح ہے، جو اللہ پر جری ہو گا اللہ اسے جھٹلا دے گا، جو معاف کرتا ہے اسے معاف کیا جاتا ہے، اور جو درگذر کرتا ہے، اللہ بھی اسے درگذر کرتا ہے، جو غصّہ کو پی لیتا ہے اللہ اسے اجر دیتا ہے اور جو مصیبت پر صبر کرتا ہے اللہ اس کو بدلہ دیتا ہے اور جو شہرت طلب کرتا ہے اللہ بھی اسے مشہور کر دیتا ہے یعنی آخرت میں اجر نہیں دیتا، اور جو بناوٹی صابر بنتا ہے اللہ اسے کمزور کر دیتا ہے۔ اور جو نافرمانی کرتا ہے، اللہ اسے عذاب دے گا۔"[1]

---

(۱) زاد المعاد، ج ۱، ص ۹۔

یہ اور اس قسم کے اور بھی خطبات ہیں جو حدیث و سیرت کی تمام کتب متداولہ میں موجود ہیں، خاص کر حجۃ الوداع کا خطبہ جسے تاریخ اسلام میں اس کی افادیت و اہمیت تسلیم شدہ ہے۔

قوتِ تاثیر

آدمی خواہ کتنا ہی بڑا فصیح و بلیغ کیوں نہ ہو، اگر اس کی زبان میں اور اس کے کلام میں تاثیر نہیں ہے تو اس کا کلام بے وزن اور ناقابلِ التفات ہے، مثال کے طور پر اگر ایک آدمی آپ کے سامنے انتہائی مُقفع و مسجع اور تراشیدہ جملے بیان کرتا ہے اور اس میں اثر ڈالنے کی وہ قوت و صلاحیت نہیں ہے، جس کے بارے میں کہا گیا ہے: ان من البیان لسحراً[1]۔ کہ بعض بیان میں جادوئی اثر ہوتا ہے۔ تو ظاہر ہے کہ اس کا کلام اس عطر کی شیشی کی طرح ہے، جو بذاتِ خود خوبصورت ہے، لیکن اس میں عطر نہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فصیح تھے، آپ کا کلام معیاری تھا، خود آپ فرماتے ہیں" میں تم میں کا سب سے زیادہ فصیح ہوں، میں قریش سے ہوں اور میری زبان بنو سعد بن بکر کی زبان ہے"[2]۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انا اعربکم انا من قریش ولسانی لسان بنی سعد بن بکر۔

لیکن اس کے ساتھ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں بے انتہا اثر بھی پایا جاتا تھا، جب آپ نصیحتیں فرماتے تو سامعین رو پڑتے، دل کانپ اٹھتے اور آنکھیں برسنے لگتیں۔ ابھی اوپر ذکر کیا گیا کہ انصار آپ کے خطبہ کو سن کر کس طرح رو پڑے، حضرت عرباض بن ساریہؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن ہمارے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی، پھر (نماز سے فارغ ہونے کے بعد) ہماری طرف متوجہ ہوئے اور ایسی بلیغ نصیحت کی کہ آنکھیں بہہ پڑیں اور دل لرز اٹھے[3]۔

فقال العرباض صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذات یوم ثم اقبل علینا فوعظنا موعظۃ بلیغۃ ذرفت منھا العیون ووجلت منھا القلوب ...... (باقی ص۸۵ پر)

---

(۱) مشکوٰۃ شریف، ج ۲، ص۔

(۲) حضائص کبریٰ، ج ۱، ص ۶۳۔

(۳) ابوداؤد، ص ۶۳۵۔

سید حسنین احمد ندوی

تعزیر مالی اور عہدِ حاضر کے تقاضے

تعزیر کے لفظی معنیٰ روکنے اور مدد کرنے کے ہیں، اصطلاحی تعزیر میں بھی یہ دونوں مفہوم پایا جاتا ہے، اس طرح کہ تعزیر دہندہ ملزم کو جرم کے ارتکاب سے روکنا بھی ہے، اور جرم سے باز رہنے میں اس کی مدد بھی کرنا ہے، شریعت میں تعزیر سے مراد ایسی سزائیں ہیں جنہیں شریعت نے متعین نہیں کیا ہے۔

التعزیر هو العقوبة المفروضة علی ارتکاب جریمة لم یأت الشارع بعقوبة محدودة علیها۔[۱]

تعزیر سے مراد ایسی سزا ہے جو کسی ایسے جرم کے ارتکاب پر متعین کی جائے، جس کے لئے شارح نے کوئی سزا مقرر نہ کی ہو۔

شریعت نے تعزیری سزاؤں کو متعین نہیں کیا ہے، بلکہ اسے قاضی یا امام کے صوابدید پر چھوڑ دیا ہے کہ وہ مجرم کے حالات اور جرم کی نوعیت کے لحاظ سے جو سزا مناسب سمجھیں متعین کریں۔

صرح السرخسی بانه لیس فی التعزیر شیئ مقدر بل هو مفوض الی رائی القاضی لان المقصود منه الزجر واحوال الناس مختلفة فیه۔[۲]

سرخسی نے صراحت کی ہے کہ تعزیر میں کوئی سزا مقرر نہیں ہے، بلکہ قاضی کی صوابدید پر ہے، اس لئے کہ اس سے مقصود تنبیہ ہے اور تنبیہ کے معاملے میں لوگوں کے حالات مختلف ہوتے ہیں۔

لیس فی التعزیر شیئ مقدر وانما

تعزیر میں کوئی مقررہ سزا نہیں ہے، بلکہ مجرم کے جرم کے

(۱) موسوعة فقه عمر بن الخطاب، مادہ تعزیر / ۱۶۲۔
(۲) البحر الرائق ۵ / ۴۱۔

هو مفوض الی رأی الامام علی ماتقتضی جنایتهم، فان العقوبة فیه تختلف باختلاف الجنایة ..... وکذا ینظر فی احوالهم فان من الناس من ینزجر بالیسیر و منهم من لا ینزجر الا بالکثیر[1]۔

اعتبار سے خود قاضی اس کا تعین کرے گا اور جرم کے اعتبار سے سزائیں مختلف ہوسکتی ہیں ۔ جرم کے علاوہ مجرمین کے احوال کو بھی دیکھا جائے گا، کیونکہ بعض لوگوں کیلئے تھوڑی سزا بھی کافی ہوتی ہے اور بعضوں کے لئے بڑی سزا کی ضرورت پڑتی ہے ۔

شریعت نے چونکہ تعزیری سزاؤں کو متعین کرنے کے بجائے اسے قاضی یا امام کی رائے پر چھوڑ دیا ہے، اس وجہ سے اس کی نوعیت مختلف ہوسکتی ہے اور ضرورت اور حالات کے تقاضے کے تحت نئے وسائل بھی اختیار کئے جا سکتے ہیں، عہدِ نبوی ؐ اور خلفائے راشدین کے دور میں تعزیری سزاؤں کے سلسلہ میں مختلف قسم کے وسائل اختیار کئے گئے، جیسے زجر[2] و توبیخ، دھمکی[3]، کوڑے[4] مارنا، بال[5] منڈا دینا، جرم کی[6] تشہیر، شہر بدر[7] کرنا، قید کرنا[8]، بائیکاٹ[9] کرنا اور مالی[10] سزائیں وغیرہ۔

وسائل تعزیری کی جن صورتوں کا اوپر ذکر کیا گیا، ان میں بہت کم صورتیں ایسی ہیں جن پر مکمل اتفاق ہو، لیکن ان میں سب سے زیادہ اختلاف تعزیر مالی کے سلسلے میں واقع ہوا ہے۔ جو لوگ اسے سرے سے جائز نہیں سمجھتے ان میں سرِ فہرست امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کا ہے، جب کہ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ، امام یوسفؒ اور امام اوزاعیؒ اس کے جواز کے قائل ہیں، اگرچہ اس کی تفصیل و تشریح سے متعلق ان کی رائیں بھی ایک دوسرے سے کافی مختلف ہیں، لیکن نفسِ جواز پر یہ تمام حضرات متفق ہیں۔

---

(۱) الشامی ۳/ ۱۷۹
(۲) البحرالرائق ۵/ ۴۰
(۳) مصنف عبدالرزاق ۱۱/ ۱۷۷
(۴) اخبار القضاۃ ۱/ ۲۸۶
(۵) السنن البیہقی ۱۰/ ۱۴۲
(۶) مصنف عبدالرزاق ۸/ ۳۲۷
(۷) مصنف ابن ابی شیبہ ۲/ ۱۳۳
(۸) المغنی ۸/ ۳۲۵
(۹) مصنف عبدالرزاق ۔۱۱/ ۳۲۶

تعزیر مالی کا جواز

جو لوگ تعزیر مالی کے قائل ہیں ان کی دلیل دورِ رسالت کے وہ معروف فیصلے ہیں جو آپؐ نے فرمائے ہیں، مثلاً آپؐ نے حکم دیا کہ حرم مدینہ میں اگر کوئی شخص شکار کھیلے تو اس کا شکار چھین لیا جائے، شراب کے برتن توڑ دئے جائیں، جو شخص محفوظ مال چرائے اس سے اس کا دگنا تاوان وصول کیا جائے، قیمت میں خیانت کرنے والوں کے سامان جلا دئے جائیں اور ان کی پٹائی بھی کی جائے[1]، اس طرح آپؐ نے فرمایا کہ جو شخص زکوٰۃ ادا نہ کرے گا تو میں اس سے زکوٰۃ بھی لوں گا اور جرمانہ بھی[2]۔

عہدِ رسالت کے ان فیصلوں کی بنیاد پر خلفاء راشدین کے عہد میں بھی اس قسم کے فیصلے ہوتے رہے اور کسی صحابی نے اس پر کوئی نکیر نہیں کی، چنانچہ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ نے ان مکانوں کے جلانے کا حکم دیا جہاں شراب کی خرید و فروخت ہوتی تھی، اسی طرح جو شخص زکوٰۃ دینے سے انکار کرتا تو آپ اس سے زکوٰۃ کے علاوہ جرمانہ بھی وصول کرتے تھے، اسی طرح حضرت عمرؓ نے اس محل کو جلانے کا حکم دیا جسے حضرت سعد بن وقاصؓ نے تعمیر کرایا تھا، تاکہ وہ لوگوں سے اس میں چھپ نہ سکیں، اس فیصلہ کی تعمیل محمد بن مسلمہ نے کی، حضرت عمرؓ ان لوگوں کا دودھ گروا دیا کرتے تھے، جو دودھ میں پانی ملایا کرتے تھے، اس کے علاوہ آپؐ نے اس شخص پر دوگنا تاوان عائد کیا جس نے بھٹکے ہوئے مویشی کو چرایا تھا۔

تعزیر مالی سے متعلق ان نظائر کی بنیاد پر فقہاء نے اس بات کی صراحت کر دی ہے کہ قاضی یا امام اگر ضرورت محسوس کرے تو وہ مالی سزائیں دے سکتا ہے۔

وفی الخلاصۃ سمعت من ثقۃ	خلاصہ میں ہے کہ میں نے قابلِ اعتماد شخص سے سنا
ان التعزیر باخذ المال إن رأی	کہ اگر قاضی مالی سرزنش کو بہتر سمجھے تو

---

(۱) ابوداؤد، باب زکوٰۃ السائمۃ النسائی، باب عقوبۃ مانع الزکوٰۃ

(۲) ابوداؤد، عن عمر بن شعیب۔

القاضی ذالك اولی جائز[۱] جائز ہے۔

عدم جواز

جو لوگ تعزیر مالی کے عدم جواز کے قائل ہیں ان کی طرف سے اس سلسلہ میں عموماً حسب ذیل دلائل دئے جاتے ہیں:

- "لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل" اس آیت کی روشنی میں فقہاء نے یہ اصول بنایا کہ بغیر کسی سببِ شرعی کے کسی کا مال لینا جائز نہیں ہے، "لا یجوز لأحد من المسلمین" اخذِ مال اور بغیر سبب شرعی[۲]، اس لئے تعزیر مالی جائز نہیں ہے۔
- تعزیر مالی ابتداء میں جائز تھی، لیکن بعد میں منسوخ ہوگئی" فی شرح الآثار: التعزیر بالمال کان فی ابتداء الاسلام ثم نسخ[۳]۔
- تعزیر مالی کے جواز سے ظالم حکمرانوں کو ظلم و ستم کے مزید مواقع فراہم ہوں گے، وہ غلط طور پر لوگوں سے جرمانے وصول کریں گے اور اس طرح اپنا خزانہ بھریں گے۔

لیکن یہ دلائل محلِ نظر ہیں، اس لئے کہ مذکورہ آیت کا تعزیر مالی کے عدمِ جواز سے کوئی تعلق نہیں ہے، کیونکہ آیت میں باطل اور غلط طریقے سے دوسروں کا مال کھانے کی ممانعت آئی ہے، جب کہ کسی مجرم کو جرم کی سزا دینا باطل نہیں بلکہ عدل و انصاف کا عین تقاضہ ہے، اور پھر یہ کہ تعزیر مالی کے ذریعہ جو رقم بھی جمع ہوگی وہ بیت المال میں جمع ہوگی اور عام مسلمانوں کے مفاد میں خرچ ہوگی۔ اس لئے باطل طریقے سے مال کے کھانے کا کوئی امکان اس صورت میں نہیں ہے۔

اور جہاں تک مالی سزاؤں کی منسوخی کی بات ہے تو یہ محض دعویٰ ہے، اس کی کوئی دلیل

---

(۱) رسائل ابن نجیم ، ۱۲۶

(۲) الشامی ۳ ۱۰۸

(۳)

موجود نہیں اور نہ ہی ائمۂ کبار میں سے کسی کا اس طرح کا کوئی قول منقول ہے۔

ومن قال: إن العقوبة المالية منسوخة فقد غلط على مذاهب الائمة نقلا واستدلالا وليس يسهل دعوى نسخها والمدعون للنسخ ليس معهم سنة ولا اجماع يصحح دعواهم الا ان يقولوا مذهب اصحابنا لا يجوز.[1]

جس شخص نے یہ بات کہی ہے کہ مالی سزا منسوخ ہے، اس نے ائمہ کے مذاہب نقل کرنے اور اس کے دلائل پیش کرنے میں غلطی کی ہے، اس کے منسوخ ہونے کا دعویٰ آسان نہیں، اور مدعیانِ نسخ کے پاس نہ حدیث ہے، نہ اجماع ہے، جو ان کے دعویٰ کو صحیح قرار دیتا ہو، سوائے اس کے کہ وہ کہیں، کہ ہمارے اصحاب کی نظر میں جائز نہیں۔

تعزیرِ مالی کے عدمِ جواز کے سلسلے میں دی جانے والی تیسری دلیل کی حقیقت بھی ایک بے بنیاد اندیشہ سے زیادہ نہیں، اس لئے کہ ظالم حاکم کو ظلم کرنے کے لئے تعزیرِ مالی کے حیلے کی ضرورت نہیں، وہ اس کے بغیر بھی عوام کو لوٹ کر اپنے خزانے کو بھر سکتے ہیں اور بھرتے ہیں۔

عہدِ حاضر کے تقاضے

ہر دور اور عہد کے کچھ تقاضے ہوتے ہیں، اسلام چونکہ ایک فطری اور ابدی شریعت ہے، اس لئے اس نے اس بات کی اجازت دی ہے کہ شریعت کے متعین کردہ دائرہ میں رہتے ہوئے جدید مسائل کے حل کرنے میں وقت اور حالات کے تقاضوں کی بھی رعایت کی جائے، یہ ایک حقیقت ہے کہ اگر عہدِ نبوی اور خلافتِ راشدہ کے دور میں نافذ کی جانے والی تعزیری سزاؤں کا مجموعی طور پر جائزہ لیا جائے تو ان میں مالی سزاؤں کا تناسب بہت کم ہے، لیکن اس کی وجہ عدمِ جواز نہیں، بلکہ اس دور کے حالات ہیں، اس وقت کا معاشرہ ایک سیدھا سادہ معاشرہ تھا، نہ وہ پیچیدگیاں تھیں اور نہ ہی وہ نت نئے مسائل وجود میں آئے تھے جو بعد میں پیدا ہوئے۔ لیکن آج حالات کافی بدل گئے ہیں، خصوصاً عصرِ جدید کے آغاز کے بعد سے معاشرہ

(۱) فقہ السنۃ ۲/۵۹۲۔

میں جو تیز رفتار تبدیلیاں آئی ہیں اس نے جہاں سابقہ مسائل میں تنوع اور پیچیدگی پیدا کردی ہے، وہیں ہر شعبۂ حیات میں بہت سے نئے مسائل کو بھی جنم دیا ہے، جو اس بات کے متقاضی ہیں کہ ان کے حل کرنے میں تعزیر کی دوسری صورتوں کے ساتھ ساتھ تعزیر مالی سے بھی کام لیا جائے اور ٹریفک، مواصلات، مختلف قسم کی فیسوں اور بلوں کی تاخیر سے ادائیگی اور دیر حاضری اور اس قسم کی چھوٹی اور معمولی غلطیوں اور خلاف ورزیوں پر جو معاشرے میں عام ہو چکی ہیں مالی تعزیر نافذ کیا جائے، یہ اسلئے بھی ضروری ہے کہ تعزیری سزاؤں کا بنیادی مقصد مجرم کو قانون شکنی سے باز رکھنا ہے اور اس کے لئے فقہاء نے بعض رہنما اصول بھی متعین کردئے ہیں۔ چنانچہ صاحبِ شرح زیلعی نے لکھا:

"چونکہ تعزیری سزاؤں کا مقصد مجرم کو ارتکابِ جرم سے باز رکھنا ہے اس لئے یہ سزا اس قدر ہونی چاہئے کہ جس سے مقصد پورا ہو جائے، نہ تو اس قدر کم ہو کہ مجرم ارتکابِ جرم سے باز نہ آئے اور نہ ہی اس قدر زیادہ ہو کہ اس کی ضرورت نہ ہو"۔[1]

یہی وجہ ہے کہ تعزیری سزاؤں میں حد سے تجاوز ممنوع ہے، اور سزا کی ایسی تمام صورتیں ناجائز ہیں جو غیر ضروری اذیت کا سبب ہوں

فقہاء نے سزا کی ایسی صورتوں سے منع کر دیا ہے، جو انسان کی غیر معمولی ذلت کا ذریعہ ہوں، چنانچہ بعض فقہاء نے تھپڑ مارنے سے منع کیا ہے، اس لئے کہ اس سے آدمی کی توہین ہوتی ہے"۔[2]

تعزیر مالی ہمارے بہت سے مسائل کا آسان حل ہے، اس کے ذریعہ عام ضابطے کی خلاف ورزیوں سے لوگوں کو روکا جاسکتا ہے اور شخصی وقار بھی مجروح نہیں ہوتا، اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ وقت اور حالات کے تقاضے کے تحت ان فقہاء کی رائے کو ترجیح دی جائے جو تعزیر مالی کے جواز کے قائل ہیں۔

---

(۱) شرح زیلعی علی متن الکنز ۲/۲۱۰ (۲) حاشیہ ابن عابدین ۳/۱۸۴

خالد سیف اللہ رحمانی

پیغمبرِ اسلامؐ اور یہود

پیغمبرِ اسلامؐ کی ذات اور اسوۂ و حیات کو اسلام میں اساس و بنیاد کی حیثیت حاصل ہے، چونکہ اسلام کو ابد تک باقی رہنا تھا، اس لئے قدرت کی طرف سے آپؐ کی حیاتِ طیبہ، آپؐ کے اسوۂ حسنہ، آپؐ کے قول و فعل اور آپؐ کی زندگی کی ایک ایک ساعت، ایک ایک صبح اور ایک ایک شام کی حفاظت کا ایسا حیرت انگیز اور تعجب خیز نظم کیا گیا کہ آپؐ کی پوری سیرت مکمل روشنی میں ہے اور ایسی بے داغ ہے کہ کسی کو کہیں انگلی رکھنے کا موقع نہیں ہے —— لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ معاندینِ اسلام نے ہمیشہ سب سے زیادہ آپؐ ہی کی ذات قدسی صفات کو ہدف بنایا ہے اور اس کے لئے علم و تحقیق کے دامن کو تحریف و تصحیف سے داغدار کرنے سے بھی نہ چوکا گیا ہے۔

سیرت نبویؐ پر علی العموم مستشرق اہلِ قلم نے جو اعتراضات کئے ہیں، ان میں ایک یہ ہے کہ آپؐ نے یہودیوں کے ساتھ جو سلوک روا رکھا وہ غیر منصفانہ اور غیر انسانی سلوک تھا اور آپؐ نے اس معاملے میں ضرورت سے زیادہ تشدد کی راہ اختیار کی، پھر اس کی دلیل میں بنو قینقاع اور بنو نضیر سے جنگ اور ان کی جلاوطنی، نیز بنو قریظہ کی سزائے موت کے واقعات پیش کئے جاتے ہیں، اس وقت اسی پر گفتگو کی جاتی ہے —— اس پر غور کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اولاً قوم یہود کی تاریخ اور ان کی عادات و اخلاق پر بحیثیت مجموعی ایک نظر ڈال لی جائے، جس سے ان کے قومی مزاج اور قومی نفسیات کو سمجھنے میں مدد ملے گی اور اندازہ ہو سکے گا کہ اپنے سماج اور پڑوسی کے ساتھ ان کا رویہ کس طرح کا ہوتا ہے؟ دوسرے اس امر کا جائزہ لیا جائے کہ مدینہ میں جو یہود آباد تھے، وہ یہاں کس طرح آئے؟ اپنے عرب پڑوسیوں کے ساتھ ان کا کیا رویہ رہا؟ تیسرے مسلمانوں

اور یہودیوں کے درمیان آویزش اور جنگ کی نوبت کن حالات میں آئی اور آپؐ نے جو اقدام کیا وہ اخلاق، مذہب اور مہذب قانون جنگ کی رو سے صحیح تھا یا غلط اور منصفانہ تھا یا غیر منصفانہ۔

تاریخِ یہود کے مآخذ

غالب گمان ہے کہ "یہود" کی نسبت حضرت یعقوبؑ کے صاحبزادے "یہوداہ" کی طرف ہے۔ افسوس کہ یہود کی تاریخ کو سمجھنے کے لئے قرآن مجید کے سوا کوئی اور مستند اور قابلِ بھروسہ ذریعہ ہمارے پاس موجود نہیں ہے، تاہم ان کی تاریخ کا سب سے بڑا ماخذ خود بائبل کا "عہدِ عتیق" ہے، جو خود یہود کے نزدیک وحیِ الٰہی اور اپنی صحیح روح کے ساتھ محفوظ ہے۔ اس کے بعد دوسرا ذریعہ تورات کی شرح اور یہودی قانون کی سب سے اہم کتاب "تالمود" ہے، تیسرا ذریعہ بائبل کے "عہدِ جدید" کا حصہ ہے جو حضرت مسیح کے دور میں یہودی اخلاقیات کو ظاہر کرتی ہے اور اس کا نمونہ پیش کرتی ہے، چوتھا اور سب سے مستند ماخذ "قرآن مجید" ہے، جس میں جستہ جستہ بنی اسرائیل کے واقعات بیان کئے گئے ہیں، ہم تو قرآن کو "وحی الٰہی" ہی مانتے ہیں، لیکن اس سے صرفِ نظر کر کے خالص تاریخی اعتبار سے بھی یہ ایک اہم ذریعہ ہے، کیونکہ یہود کے سامنے قرآن مجید نازل ہوا اور پڑھا گیا، لیکن یہودیوں کو اس سے انکار اور تردید کی ہمت نہ ہوئی۔

انبیاءؑ کے ساتھ سلوک

بائبل کے ادنیٰ مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہود شروع سے تین قومی بیماریوں میں مبتلا رہے ہیں، انبیاء اور رسولوں کے ساتھ گستاخی اور بدسلوکی، اعتقادی بگاڑ اور اخلاقی و سماجی پستی ——— انبیاءؑ کے ساتھ بدسلوکی اور معاندانہ رویہ کا صرف بائبل میں اس کثرت سے ذکر ہے کہ ان سب کا اکٹھا ذکر کیا جائے تو ایک کتاب ہو جائے، یہاں بائبل کے دونوں حصوں سے چند نمونے ذکر کئے جاتے ہیں۔ تورات میں ہے:

> "انہوں نے خداوند کے پیغمبروں کو ٹھٹھوں میں اڑایا اور اس کی باتوں کو ناچیز جانا اور اس کے نبیوں کی ہنسی اڑائی، یہاں تک کہ خداوند کا غضب اپنے لوگوں پر

ایسا بھڑکا کہ کوئی چارہ نہ رہا (۲۔ تواریخ ۳۶: ۱۶) ـــــ تمہاری ہی تلوار پھاڑنے والے شیر ببر کی طرح تمہارے نبیوں کو کھا گئی (یرمیاہ ۲: ۳۰) ـــــ وہ نافرمان ہو کر تجھ سے باغی ہوئے اور انہوں نے تیری شریعت کو پیٹھ پیچھے پھینکا اور تیرے نبیوں کو جو ان کے خلاف گواہی دیتے تھے، تاکہ ان کو تیری طرف پھرا لائیں، قتل کیا اور انہوں نے غصہ دلانے کے لئے بڑے بڑے کام کئے (نحمیاہ ۹: ۲۶)"

ایک دو نمونے عہد جدید سے بھی ملاحظہ ہوں:

"اے گردن کشو اور دل اور کان کے نامختونو! تم ہر وقت روح القدس کی مخالفت کرتے ہو، جیسے تمہارے باپ دادا کرتے تھے، ویسے ہی تم بھی کرتے ہو نبیوں میں سے کس کو تمہارے باپ دادا نے نہیں ستایا؟ انہوں نے تو اس راست باز کے آنے کی پیش خبری دینے والوں کو قتل کیا اور اب تم اس کے پکڑنے والے اور قاتل ہوئے (اعمال ۷: ۵۱، ۵۲)"

"اے ریاکار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس کہ نبیوں کی قبریں بناتے اور راست بازوں کے مقبرے آراستہ کرتے ہو اور کہتے ہو، اگر ہم اپنے باپ دادا کے زمانہ میں ہوتے تو نبیوں کے خون میں ان کے شریک نہ ہوتے، اس طرح تم اپنی نسبت گواہی دیتے ہو

کہ تم نبیوں کے قاتلوں کے فرزند ہو۔ غرض اپنے باپ دادا کا پیمانہ بھر دو، اے سانپو! اے افعی کے بچو! تم جہنم کی سزا سے کیونکر بچو گے، اس لئے دیکھو میں نبیوں اور داناؤں اور فقیہوں کو تمہارے پاس بھیجتا ہوں، ان میں سے تم بعض کو قتل اور مصلوب کرو گے اور بعض کو اپنے عبادت خانوں میں کوڑے مارو گے اور شہر بہ شہر ستاتے پھرو گے۔ (متی ۲۳: ۲۹-۳۵)"

یہود کی سرزمین مقدس یروشلم کو ان الفاظ میں مخاطب کیا گیا:

اے یروشلم! اے یروشلم! تو جو نبیوں کو قتل کرتا اور جو تیرے پاس بھیجے گئے ان کو سنگسار کرتا ہے۔ (متی ۲۳: ۳۷)"

یہود بنیادی طور پر حضرت موسیٰؑ کی نبوت پر ایمان رکھتے ہیں، اور انہیں کی شریعت کے متبع ہیں، حضرت موسیٰؑ ہی نے ان کو فرعون اور اہلِ مصر کی غلامی سے نجات دلائی اور آزادی کی زندگی عطا فرمائی۔ اس لئے سب سے زیادہ حضرت موسیٰؑ کے احترام و تعظیم کی ان سے توقع کی جاسکتی ہے، لیکن خود حضرت موسیٰؑ کی شان میں قدم قدم پر اس قوم نے جو گستاخی اور بدسلوکی کی وہ سامانِ عبرت ہے، ـــــ مصر کی عبودیت اور غلامی کی زندگی سے نجات کے لئے بنی اسرائیل ایک نہیں دو نبیوں حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کے ساتھ بحر قلزم کی طرف رواں ہیں اور سر کی آنکھوں سے مصر میں حضرت موسیٰؑ کے معجزات و برکات اور پیغمبرِ وقت کے ساتھ فساد و عداوت کی بنا پر قبطیوں پر خدا کے عذاب کا مشاہدہ کر چکے ہیں، مگر جونہی فرعون کا لشکر تعاقب میں آتا ہے پائے ثبات میں تزلزل آجاتا ہے، اور اپنے نبی سے اس طور مخاطب ہوتے ہیں:

"کیا مصر میں قبریں نہ تھیں جو تو ہم کو وہاں سے مرنے کے لئے بیابان میں لے آیا ہے تو نے یہ ہم سے کیا کیا کہ ہم کو مصر سے نکال لایا، کیا ہم تجھ سے مصر میں بھی یہ بات نہ کہتے تھے، کہ ہم کو رہنے دے کہ ہم مصریوں کی خدمت کریں، کیونکہ ہمارے لئے مصریوں کی خدمت کرنا بیابان میں مرنے سے بہتر ہوتا۔ (خروج ۱۴: ۱۱-۱۲)"

بحر قلزم عبور کرتے ہوئے خدا کی اس نشانی کا کھلی آنکھوں مشاہدہ کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے لئے سمندر کے بیچوں بیچ راہِ نجات بنتی ہے اور وہی راستہ فرعون اور اس کی قوم کے لئے ہلاکت و تباہی کا ذریعہ ثابت ہوتا ہے، سمندر عبور ہو چکا ہے اور بنی اسرائیل تین دنوں سے بیابانِ شور میں ہیں، پانی کا کوئی چشمہ تین دنوں سے میسر نہیں آیا ہے، ایک چشمہ ملا تو وہ بھی کڑوے پانی کا، قوم کی فطرت پھر رنگ لائی اور بائبل کی زبان میں "وہ لوگ موسیٰؑ پر بڑبڑا کر کہنے لگے کہ ہم کیا پئیں؟" (خروج ۱۶: ۲۴) حضرت موسیٰؑ کی دعا سے پانی کا مسئلہ حل ہوا، لیکن اشیاءِ خوردنی کی قلت بنی اسرائیل کے لئے اب بھی قابلِ برداشت نہ تھی، اس لئے ہوا یوں کہ:

"اس بیابان میں بنی اسرائیل کی ساری جماعت موسیٰ اور ہارون پر بڑبڑانے لگی اور بنی اسرائیل کہنے لگے: کاش، کہ ہم خداوند کے ہاتھ سے ملکِ مصر میں جب ہی مار دئے جاتے، جب ہم گوشت کی ہانڈیوں کے پاس بیٹھ کر دل بھر روٹی کھاتے تھے،

کیونکہ تم تو ہم کو اس لئے لے آئے ہو کہ سارے مجمع کو بھوکا مارو" (خروج ۱۶: ۲، ۳)

حضرت موسیٰؑ کی دعا مستجاب سے خدا کی طرف سے آسمانی کھانوں "من" اور "سلویٰ" کا نظم ہوا، مگر بجائے خدا اور رسولؐ کی احسان مندی کے اب بھی قوم کی طرف سے عدول حکمی کا سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ رفیدیم میں آکر قافلہ نے پڑاؤ کیا، یہاں آکر صورتِ حال اس درجہ سنگین ہوگئی کہ حضرت موسیٰؑ کو خوف ہوا کہ کہیں قوم ان کو سنگسار نہ کردے:

"وہاں وہ لوگ موسیٰ سے جھگڑا کرکے کہنے لگے کہ ہم کو پینے کو پانی دے، موسیٰؑ نے کہا کہ تم کیوں مجھے آزماتے ہو؟ وہاں ان لوگوں کو بڑی پیاس لگی، سو وہ لوگ موسیٰ پر بڑبڑانے لگے اور کہا کہ تم ہم کو اور ہمارے بچوں اور چوپایوں کو پیاسا مارنے کیلئے ہم لوگوں کو کیوں ملک مصر سے نکال لایا؟ موسیٰ نے خداوند سے فریاد کرکے کہا کہ ان لوگوں سے کیا کروں؟ وہ سب تو ابھی مجھے سنگسار کرنے کو تیار ہیں۔

(خروج ۱۷: ۲-۴)

جب تورات نازل ہوئی اور بنی اسرائیل کی سہولت پسند اور راحت آسا طبیعت کے لئے اس کو گوارا کرنا مشکل ہوگیا، بالآخر یہاں بھی خدا کا غیبی ہاتھ ظاہر ہوا اور تالمود کے بیان کے مطابق "حق تبارک وتعالیٰ نے ان کے اوپر کوہِ سینا کو الٹ دیا، جس طرح کوئی بڑا ظرف الٹ دیا جاتا ہے، اور کہا کہ اگر تم توریت کو قبول کرتے ہو، جب تو خیر، ورنہ یہیں دفن ہوکر رہ جاؤ گے"۔ (۱)

غلامی کی خو کچھ اس طرح اس قوم کی رگ وپے میں بس چکی تھی کہ جہاد وکشور کشائی کے لئے بھی یہ تیار نہ تھے، حضرت موسیٰ وہارون نے جب قوم عمالقہ سے جہاد کی دعوت دی تو بجز یشوع بن نون اور کالب بن لفینہ کی پوری قوم انکاری ہوگئی اور خدا کی شان میں گستاخی کرنے لگی، یوشع اور کالب نے نصیحت کی تو تورات کے بیان کے مطابق یہ ساری جماعت بول اٹھی کہ "ان کو سنگسار کرو" (گنتی ۱۴: ۱) (۲)

---

(۱) اس موقع پر بے ساختہ پیغمبر اسلامؐ کے عالی مرتبت، فداکار اور طاعت شعار ووفادار صحابہؓ کی یاد آتی ہے کہ کس طرح انہوں نے مکی زندگی کی پریشان حالیوں شعب ابی طالب کی فاقہ مستیوں اور ہجرت اور اس کے بعد کی دشواریوں میں، بدر کی اس جنگ میں جہاں کم وکیف ہر لحاظ سے اپنی سہ گانہ قوت سے ان کا مقابلہ تھا اور احدؓ احزاب کی آزمائشوں (باقی صہ پر)

حضرت موسیٰؑ کی تذلیل میں یہ اس درجہ جری ہو گئے تھے کہ آپؑ پر برص کی بیماری، یا قوتِ مردمی سے محرومی کی تہمت عائد کرنے سے بھی نہ چوکے، قرآن مجید کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپؑ کی برارت کے اظہار کے لئے ایک قدرتی نظم فرمایا کہ جس پتھر پر آپؑ نے کپڑے رکھے تھے، وہ مع کپڑے کے آگے کو چلنے لگا اس طرح آپ کو مجبوراً بے لباس اس کا تعاقب کرنا پڑا اور آپ کی ان جسمانی عیوب سے برارت ظاہر ہو گئی۔

حضرتِ موسیٰؑ دمِ آخر یں تک اپنی قوم سے بیزار و کبیدہ رہے، مگر آپکے بعد بھی اس قوم کے مزاج میں کوئی تغیر نہ آیا، بنی اسرائیل کے ایک بادشاہ آسا کو "حنانی غیب بیں" (نبی) نے نصیحت کی تو خفا ہو کر اسے قید خانہ میں ڈال دیا" (۲- تواریخ ۱۶ : ۱۰) حضرتِ الیاس (ایلیاہ) کی جان کے اس طرح درپے ہوئے کہ ان کو راہ فرار اختیار کرتے ہی بنی اور خدا کے حضور شکوہ سنج ہوئے کہ "بنی اسرائیل نے تیرے عہد کو ترک کیا اور تیرے نبیوں کو تلوار سے قتل کیا اور ایک میں ہی اکیلا بچا ہوں سو وہ میری جان کے درپے ہیں (۱- سلاطین ۹ : ۱۰) میکایاہ نبی نے شاہ اسرائیل کے حسبِ منشا پیش گوئی نہ کی تو ایک درباری صدقیاہ نے خود ہی ان کے گال پر تھپڑ مار دیا اور بادشاہ نے اس ہدایت کے ساتھ قید خانہ کی نذر کیا کہ "اسے مصیبت کی روٹی کھلانا اور مصیبت کا پانی پلانا (۱- سلاطین ۲۲: ۲۶) عین اس وقت جب بخت نصر کی فوج کا طوفان بنی اسرائیل کی سلطنت یہودیہ میں اپنی آفت سامانیوں کے ساتھ اترنے والا تھا، یرمیاہ نبی پر وحی الٰہی نازل ہوئی اور اپنی بداعمالیوں سے توبہ اور رجوع الی اللہ کے لئے دعوت دینے کا حکم ہوا، لیکن قوم نے اس کا جواب یوں دیا کہ اوّل تو بادشاہِ وقت نے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:

اور ابتلاؤں میں کاسۂ وفا تھامے رہے، نہ کبھی زبانِ شکایت کو جنبش ہوئی، نہ کبھی پائے ثبات میں تزلزل پیدا ہوا، نہ آپؑ پر یقین واعتماد میں کمی آئی اور نہ خود سپردگی وفداکاری، احترام ومحبت اور آپ کی حفاظت کا حق ادا کرنے میں ادنیٰ درجہ کی کوتاہی ہوئی۔ "رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ"

(۱) جیوش انسائیکلوپیڈیا، ج ۴، صے ۳۲۱، بحوالہ تفسیر ماجدی۔ ج ۱، صے ۲۷۔

آپؑ کے وحی کے نوشتوں کو نہایت حقارت کے ساتھ جلا کر خاکستر کر دیا (یرمیاہ ۳۶ : ۲۳) پھر امراء بنی اسرائیل نے زد و کوب کیا (۳۷ : ۱۵) نیز ان کے ساتھ یہ سلوک کیا کہ "ملکیاہ شہزادے کے حوض میں جو قید خانہ کے صحن میں تھا ڈال دیا، انہوں نے یرمیاہ کو رسّے سے باندھ کر لٹکایا اور حوض میں کچھ پانی نہ تھا، بلکہ کیچ تھی اور یرمیاہ کیچ میں دھنس گیا۔" (۳۸ : ۶)

حضرت زکریاؑ جیسے جلیل القدر پیغمبر نے جب ان کو نصیحت کی اور خدا کی طرف بلایا تو عین عبادت گاہ میں ان کو سنگسار کر دیا۔[1] تورات کا بیان ہے :

"تب خدا کی روح یہویدع کاہن کے بیٹے زکریاہ پر نازل ہوئی، سو وہ لوگوں سے بلند جگہ پر کھڑا ہو کر کہنے لگا : خدا یوں فرماتا ہے کہ تم کیوں خداوند کے حکموں سے باہر جاتے ہو کہ یوں خوش حال نہیں رہ سکتے، چونکہ تم نے خداوند کو چھوڑ دیا ہے، اس نے بھی تم کو چھوڑ دیا، تب انہوں نے اس کے خلاف سازش کی اور بادشاہ کے حکم سے خداوند کے گھر کے صحن میں اسے سنگسار کرایا۔" (۲۔ تواریخ ۲۴ : ۲۱،۲۶)

حضرت یحییٰؑ کی نبوت پر بنی اسرائیل ایمان رکھتے تھے، مگر ان کی پیغمبری کی شناخت اور اس پر یقین کے باوجود ہوا یوں کہ ایک ادنیٰ رقاصہ ہیرودیس کی خواہش پر پہلے تو باندھ کر آپؑ کو قید خانہ میں رکھا اور پھر جب بادشاہ کی سال گرہ کے موقع سے جشن رقص و سرود منعقد ہوا اور اس رقاصہ نے اپنے فن کا مظاہرہ کر کے حاضرین اور خود بادشاہ کا دل جیت لیا تو حکم ہوا کہ آدھی سلطنت تک جو چاہے مانگ لے۔ یہ رقاصہ حضرت یحییٰؑ سے پرانی عداوت رکھتی تھی، خواہش کناں ہوئی کہ حضرت یحییٰ کا سر ابھی ایک طشت میں میرے سامنے پیش ہو، چنانچہ ایک رقاصہ کی خواہش کے احترام میں ایک پیغمبرِ وقت کا سر اسی وقت مظلومانہ قلم کیا گیا اور ایک تھال میں کر کے اس بدبخت کی طبع خوں آشام کی سیری کی گئی (ملاحظہ ہو: مرقس ۶ : ۱۷-۱۹) عاموس نامی بزرگ جن کو تورات کے بیان کے مطابق نبوت ملی تھی، جب نہی عن المنکر کا فرض ادا کرنے کھڑے ہوئے،

---

(۱) حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان بدبختوں نے آپؑ کو آرے سے دو لخت کر دیا تھا۔ تاہم سنگسار کرنے کے تو گویا یہود اقراری مجرم ہیں۔

توشاہ اسرائیل "یُربعام" کو خود علماء یہود نے بہکایا اور نوبت بایں جارسید کہ آپؑ کو ملک بدر کردیا گیا اور یہاں دعوتِ دین کی اجازت نہ دی گئی (عاموس ۷: ۱۲ - ۱۵)

حضرت مسیح پر انہیں یہودی علماء نے ناحق مقدمہ کیا، ان کو باندھ کر حاکمِ وقت پیلاطس کے پاس لے گئے، آپؑ پر تھوکا، کوڑے لگوائے، سرکنڈے سے مارا، تمسخر کیا، عید کا دن تھا، بالآخر حاکم نے پھانسی کا فیصلہ کیا، چونکہ اس کو حضرت مسیحؑ کی بے گناہی کا اندازہ تھا، اس لئے آخری بار پھر فقیہانِ یہود سے عرض کناں ہوا کہ آج کے دن ایک مجرم کی سزائے موت معاف کی جاسکتی ہے کہو تو مسیح کی جان بخشی کردی جائے ورنہ "برابا" ڈاکو کی۔ علمائے یہود نے اس نبی برحق کے مقابلہ ڈاکو کو معاف کردیا۔ حاکم نے اب بھی ان سے عفو ودرگذر کی خواہش کی، مگر یہ کسی طور تیار نہ ہوئے، انجیل کا بیان ہے:

"جب پیلاطس نے دیکھا کہ کچھ بن نہیں پڑتا، بلکہ الٹا بلوا ہوتا جاتا ہے تو پانی لے کر لوگوں کے روبرو اپنے ہاتھ دھوئے اور کہا میں اس راست باز کے خون سے بری ہوں، تم جانو، سب لوگوں نے جواب میں کہا: اس کا خون ہماری اور ہماری اولاد کی گردن پر، اس پر اس نے برابا کو ان کی خاطر چھوڑ دیا اور یسوع کو کوڑے لگوا کر حوالہ کیا کہ مصلوب ہو" (متی ۲۷: ۲۴ - ۲۷)

اس طرح گویا یہود نے اپنے گمان کے مطابق حضرت مسیح کو نذرِ صلیب کردیا۔(۱)

---

(۱) یہ یہودیوں کے عقیدہ کے مطابق ہے، یہی عقیدہ عیسائیوں کا بھی ہے، مگر اس اضافہ کے ساتھ کہ حضرت مسیح مدفون ہوئے اور تین دنوں کے بعد آسمان پر اٹھا لئے گئے، قرآن کے نزول تک یہ معمہ حل نہ ہوسکا، قرآن مجید نے اس قضیہ کی عقدہ کشائی کی کہ جس شخص کو پھانسی دی گئی وہ مسیح نہ تھے، بلکہ آپؑ کی مخبری کرنے یا گرفتار کرنے کی نیت سے آنے والا شخص تھا، جو قدرتِ خداوندی سے بالکل مسیح کا ہم صورت کردیا گیا اور صلیب پر چڑھا دیا گیا، آپؑ کو اس سے قبل ہی مع تن وروح اٹھا لیا گیا تھا اور قربِ قیامت میں پھر آپؑ کا نزول ہوگا۔ یہ بات گو عجیب معلوم ہوتی ہے، مگر آپؑ کی پیدائش اور وجود کا کون سا مرحلہ ہے جو انسان کی عقلِ کوتاہ کے لئے عجوبہ نہ ہو۔ واللہ علیٰ کل شیئٍ قدیر!

حضرت داؤدؑ بنی اسرائیل کے ان محسنوں میں ہیں، جن کے اندر خدا نے نبوت اور حکومت کو جمع کر دیا تھا، تورات نے خود آپؑ کی بڑی توصیف کی ہے (دیکھئے: ۲ سموئیل باب ۷) حضرت داؤدؑ کی فرماں روائی کی وجہ سے یہود آپؑ کے خلاف کوئی اور سازش نہ کر سکے تو تورات کے محرفین نے ایک بدترین تہمت ہی آپ پر لگا دی کہ:

"شام کے وقت داؤد اپنی پلنگ پر سے اٹھ کر بادشاہی محل کی چھت پر سے اس نے ایک عورت کو دیکھا جو نہا رہی تھی اور وہ عورت نہایت خوبصورت تھی، اور داؤد نے لوگ بھیج کر اسے بلا لیا اور وہ اس کے بعد آئی اور اس نے اس سے صحبت کی، پھر وہ اپنے گھر کو چلی گئی اور وہ عورت حاملہ ہوئی" (۲-سموئیل ۱۱: ۲-۵)

تورات میں یہ بھی ہے کہ حضرت داؤدؑ نے پہلے اس پر پردہ ڈالنے کے لئے "حتی اوریاہ" کو میدانِ جنگ سے بلوایا، تاکہ وہ اپنی بیوی سے ہمبستر ہو اور حمل کا الزام ان پر نہ رہے، لیکن جب وہ اپنی بیوی کے ساتھ نہ سویا تو ایک تدبیر کر کے اُس کو قتل کرا دیا (دیکھئے: ۲ سموئیل باب ۱۱)

حضرت سلیمانؑ بنی اسرائیل کے عظیم الشان اور انصاف پرور فرماں رواؤں میں ہیں اور منصب نبوت پر سرفراز ہیں، آپؑ ہی نے حکم خداوندی سے ہیکل سلیمانی کی تعمیر فرمائی، چنانچہ تورات میں آپؑ کی بہت مدح و توصیف کی گئی ہے (ملاحظہ ہو: ۱ سلاطین باب ۶) لیکن انہیں پیغمبر کے متعلق یہود نے یہ افسانہ طرازی کی کہ آپؑ اجنبی عورتوں سے صحبت کرنے لگے، اور جب آپؑ بوڑھے ہوئے تو بیویوں نے آپؑ کے دل کو "غیر معبودوں کی طرف مائل کر دیا" (دیکھئے: ۱۔سلاطین ۱۱: ۳-۴) گویا۔ نعوذ باللہ۔ آپؑ شرک میں مبتلا ہو گئے۔

حضرت ہارونؑ جن کو خدا نے حضرت موسیٰؑ کے ساتھ نبوت سے مشرف فرمایا اور دعوتِ توحید میں شریک کیا، خود ان پر بھی شرک و بت پرستی کی تہمت لگانے سے نہ چوکے اور کہا کہ انہوں نے ہی زیورات جمع کر کے طلائی گائے بنائی اور لوگوں کو اس کی پرستش کی دعوت دی (خروج ۳۲: ۲-۵)

افسوس کہ اس قوم کی جسارت نے صرف معاصر انبیاء ہی کو ہدف نہ بنایا، بلکہ انبیاء ماقبل کے بارے میں بھی بہتان تراشی کی اور ان کی پاک زندگیوں کو داغ دار کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی حضرت نوحؑ پر تہمت دھری کہ آپؑ نے شراب پی اور برہنہ ہو گئے (تکوین: ۲۰-۲۱) حضرت لوطؑ پر

خود اپنی دو صاحبزادیوں کے ساتھ زنا اور اس کے ذریعہ دو بچوں "موآب" اور "بنی عمی" کی پیدائش کی تہمت باندھی"[1] (پیدائش ۲۰ : ۳۰ - ۳۸) ——— یہ چند نمونے ہیں انبیاؑ اور خدا کے پیغمبروں کے ساتھ قوم یہود کے برتاؤ اور سلوک کے، جو مختلف عصر اور زمانہ سے متعلق ہیں اور جس سے یہ بات واضح ہے کہ انبیاء کے ساتھ بدسلوکی اور گستاخی اس قوم کی نفسیات میں داخل ہے! اگر ایک ایسی قوم کسی غیر اسرائیلی نبی کے ساتھ گستاخی اور اپنی قومی بد اطواری کو روا رکھے تو ہرگز تعجب نہ ہونا چاہئے۔

اعتقادی بگاڑ

یہ بھی ایک افسوسناک حقیقت ہے کہ یہود میں باوجود انبیاء و رسل کی کثرت کے اعتقادی بگاڑ ہر دور میں قائم رہا اور شرک و بت پرستی کے خلاف ہر نبی اور مصلح کو آواز اٹھانی پڑی۔ جائے حیرت ہے کہ بنی اسرائیل ابھی فراعنہ مصر کے طوقِ غلامی سے آزاد ہوئے ہیں اور بحر قلزم عبور کرکے بیابانِ شور میں پہونچے ہیں، مصر میں قدم قدم پر خدا کی نشانیاں دیکھ چکے ہیں، پھر بحر قلزم عبور کرتے ہوئے "ربِّ اعلیٰ" ہونے کا دعویٰ کرنے والے فرعون کی ہلاکت و تباہی ابھی آنکھوں میں ہے، یہ ساری آیات اللہ ایسی ہیں کہ ان میں سے ایک کا شہود و ظہور بھی کسی قوم میں شرک کے ابطال کے لئے کافی و وافی ہے، مگر عین اس وقت جب شریعتِ الٰہی سے سرفرازی کے لئے

---

(۱) انبیاء کرام جن کی ذات انسانیت میں سب سے بالاتر ہوتی ہے، جو معصوم ہوتے ہیں اور من جانب اللہ گناہوں سے ان کی حفاظت ہوتی ہے، ان کی طرف ایسے شرمناک گناہوں کی از راہ نقل نسبت کرتے ہوئے بھی ایک صاحبِ ایمان کا کلیجہ منہ کو آتا ہے اور رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، لیکن یہاں ان کا ذکر محض اتمام حجت کے لئے ہے، ورنہ ہم مسلمان ان انبیاؑ کو ان تہمتوں سے یکسر بری الذمہ اور بہت ارفع یقین کرتے ہیں۔ فداھم روحی و ابی و امی ——— قرآن پاک نے اپنا ایک وصف "مصدقاً لما بینہ" بتایا ہے کہ یہ پچھلوں کی تصدیق کرتا ہے، پس یہ قرآن کی شانِ تصدیق ہے کہ بائبل نے پیغمبروں پر جو جو تہمتیں لگائیں قرآن پاک نے ان کی نفی کی اور ان کی برأت و پاکیزگی کی ایسی شہادت دی کہ تمام انبیاء و رسل پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا۔

حضرت موسیٰؑ کی جبلِ طور پر طلبی ہوتی ہے تو اسی خانہ بدوشی کی حالت میں ایک ایک کا زیور جمع کیا جاتا ہے اور ایک طلائی گائے کی خود تخلیق کی جاتی ہے، پھر اس کی پرستش کی جاتی ہے اور اسی پر قربانیاں چڑھائی جاتی ہیں (دیکھئے: خروج ۳۲-۱-۱۰)

خدا کی طرف سے اس جرم کی پاداش میں حکم ہوا کہ :

"تم اپنی اپنی ران سے تلوار لٹکا کر پھاٹک پھاٹک گھوم کر سارے لشکر میں اپنے بھائیوں اور اپنے ساتھیوں اور اپنے پڑوسیوں کو قتل کرتے پھرو ..... چنانچہ اس دن لوگوں میں سے قریباً تین ہزار مرد کھیت آئے" (خروج ۳۲ : ۲۶، ۲۷)

کم سے کم قوم نے اس مواخذۂ خداوندی ہی کو یاد رکھا ہوتا، مگر ایسا بھی نہ ہوسکا۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی نفسیات کو سامنے رکھ کر پہلے ہی ارشاد فرما دیا تھا کہ :

"دیکھ تو اپنے باپ دادا کے ساتھ ہو جائے گا اور یہ لوگ اٹھ کر اسی ملک کے اجنبی دیوتاؤں کی پیروی میں جن کے بیچ وہ جا کر رہیں گے زنا کار ہو جائیں گے، اور مجھ کو چھوڑ دیں گے اور اس عہد کو جو میں نے ان کے ساتھ باندھا ہے توڑ ڈالیں گے" داستثنار: ۳۱ : ۱۶)

حضرت موسیٰؑ کے بعد حضرت یوشع کو بھی ان کو یہی نصیحت کرنی پڑی کہ "اب تم اجنبی معبودوں کو جو تمہارے درمیان ہیں دور کرو اور اپنے دل کو خداوند اسرائیل کے خدا کی طرف مائل کرو (یشوع ۲۴ : ۲۳)

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شرک بنی اسرائیل میں جڑ پکڑتا چلا گیا، بائبل میں یرمیاہ نبی کے الہامات کا مطالعہ کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے عہد میں مشرک قوموں اور یہودیوں میں ادنیٰ فرق بھی باقی نہ رہ گیا تھا اور یہودی علماء اور پیشوا بھی اس میں مبتلا تھے۔ ارشاد ہوتا ہے :

"اور جان لے کہ یہ برا اور نہایت بے جا کام ہے کہ تو نے خداوند اپنے خدا کو ترک کیا اور تجھ کو میرا خوف نہیں ..... ہاں ہر ایک اونچے پہاڑ پر اور ہر ایک درخت کے نیچے تو بدکاری کے لئے لیٹ گئی ..... تو تو تیز رو اونٹنی کے مانند ہے جو

ادھر ادھر دوڑتی ہے، مادہ گورخر کی مانند جو بیابان کی عادی ہے، جو شہوت کے جوش میں ہوا کو سونگھتی ہے[1]...... جس طرح چور پکڑا جانے پر رسوا ہوتا ہے اسی طرح اسرائیل کا گھرانہ رسوا ہوا، وہ اور اس کے بادشاہ اور امراء اور کاہن اور نبی[2]، جو لکڑی سے کہتے ہیں کہ تو میرا باپ ہے اور پتھر سے کہ تم نے مجھے جنم دیا، کیونکہ انہوں نے میری طرف منہ نہ کیا، بلکہ پیٹھ کی" (یرمیاہ ۲)

حضرت داؤدؑ سے پہلے یہودی مملکت دو حصوں میں منقسم تھی اور ایک اسرائیل اور دوسری یہودیہ سے موسوم تھی، یہ دونوں ہی اپنی بت پرستی میں ایک سے ایک کم نہ تھے ــــــ یرمیاہ کے صحیفہ میں اس طرح خطاب کیا گیا ہے:

"کیا تو نے دیکھا، برگشتہ اسرائیل نے کیا کیا ہے، وہ ہر ایک اونچے پہاڑ پر اور ہر ایک ہرے درخت کے نیچے گئی اور وہاں بدکاری کی اور جب یہ سب کچھ کر چکی تو میں نے کہا وہ میری طرف واپس آئے گی پر وہ نہ آئی..... جب برگشتہ اسرائیل کی زناکاری کے سبب سے میں نے اس کو طلاق دیدی اور اسے طلاق نامہ لکھ دیا تو بھی اس کی بے وفا بہن یہوداہ نہ ڈری، بلکہ اس نے بھی جا کر بدکاری کی"

---

(۱) بائبل کی یہ اور اس طرح کی عبارتوں میں بدکاری سے مراد بت پرستی ہے، گویا شرک کو "زنا" قرار دیا گیا ہے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک حدیث میں شرک کی شناعت کو زنا سے سمجھایا ہے اور بتایا ہے کہ ایک غیرت مند شوہر کو اپنی بیوی کی بدچلنی پر جتنی غیرت آتی ہے، خدا کو اپنے بندوں کے مبتلائے شرک ہونے پر اس سے زیادہ غیرت آتی ہے ــــــ یہ گنہگار عرض کرتا ہے کہ ایسا کیوں نہ ہو کہ بیوی کے وجود میں شوہر کے عمل کو کوئی دخل نہیں اور اس بیوی سے اس کا رشتہ محض ایجاب و قبول کا ہے۔ مگر انسان اپنے وجود اور بقا میں لمحہ لمحہ خدا کی رحمت و عنایت اور ربانیت کا محتاج ہے، پھر ایک بندہ کی بدچلنی پر خدا کی آتش غضب کیونکر جوش میں نہ آئے۔ اعاذنا اللہ منہ۔

(۲) یہاں "نبی" سے جھوٹے مدعیانِ نبوت مراد ہیں، بائبل سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایسے مدعیانِ نبوت کی بھی کثرت تھی اور چونکہ سلسلۂ نبوت باقی تھا، اسلئے ان کی شناخت بہت مشکل تھی ــــــ غرض اس حمام میں سبھی...... ایک جیسے نظر آتے ہیں۔

اور ایسا ہوا کہ اس نے اپنی بدکاری کی برائی سے زمین کو ناپاک کیا اور پتھر اور لکڑی کے ساتھ زناکاری کی (یرمیاہ ۳ : ۶ - ۱۰)

بنی اسرائیل کی مشرکانہ حرکتوں نے کہیں کہیں تخاطب میں بہت شدت کا رنگ پیدا کر دیا ہے۔ تورات کا بیان ہے:

"تو نے بہت سے یاروں کے ساتھ بدکاری کی ہے..... پہاڑوں کی طرف اپنی آنکھیں اٹھا اور دیکھ، کون سی جگہ ہے جہاں تو نے بدکاری نہیں کی..... تیری پیشانی فاحشہ کی ہے اور تجھے شرم نہیں آتی" (یرمیاہ ۳ب)

اخلاقی بگاڑ

یہود کی تاریخ اور ان کے صحائف پر نظر ڈالی جائے تو صاف اندازہ ہوتا ہے کہ اخلاقی برائیاں بھی پوری طرح ان کے اندر سرایت کر چکی تھیں۔ تورات کے عہد عتیق میں اس کثرت سے بنی اسرائیل کی بد اعمالیوں کا ذکر ہے کہ ان کا احاطہ آسان نہیں، حزقی ایل نبی کے ایک خطاب میں ان کا اجمالی ذکر موجود ہے، فرماتے ہیں:

"خداوند یوں فرماتا ہے کہ لے شہر تو اپنے اندر خون ریزی کرتا ہے..... اور تو اپنے واسطے بتوں کو اپنے ناپاک کرنے کے لئے بناتا ہے..... تیرے اندر انہوں نے ماں باپ کو حقیر جانا ہے، تیرے اندر انہوں نے پردیسیوں پر ظلم کیا، تیرے اندر انہوں نے یتیموں اور بیواؤں پر ستم کیا ہے، تو نے میری پاک چیزوں کو ناچیز جانا اور میرے سبتوں[1] کو ناپاک کیا، تیرے اندر وہ لوگ ہیں'

---

(۱) ہفتہ کے دن کو "سبت" کہتے ہیں، بنی اسرائیل کی شریعت میں یہ دن عبادت کے لئے مخصوص تھا اور کسب معاش کی اجازت نہ تھی، مگر بنی اسرائیل اس کی پروا نہ کرتے تھے۔ بعضے کھل کر اس حکم کی بے حرمتی کرتے، اور بعضے اس کے لئے حیلے اختیار کرتے۔ قرآن پاک کے بیان کے مطابق اسی جرم میں ایک گروہ بنی اسرائیل کی صورتیں مسخ کر دی گئی تھیں (

جو چغلخوری کر کے خون کرواتے ہیں اور تیرے اندر وہ ہیں جو بتوں کی قربانی سے
کھاتے ہیں، تیرے اندر وہ ہیں جو فسق و فجور کرتے ہیں، تیرے اندر وہ بھی ہیں جنہوں نے
اپنے باپ کی حرم شکنی کی، تجھ میں انہوں نے اس عورت سے جو ناپاکی کی حالت میں
تھی مباشرت کی، کسی نے دوسرے کی بیوی سے بدکاری کی اور کسی نے اپنی بہو سے
بدذاتی کی اور کسی نے اپنی بہن ۔ اپنے باپ کی بیٹی کو ۔ تیرے اندر رسوا کیا'
تیرے اندر انہوں نے خون ریزی کے لئے رشوت خواری کی، تو نے بیاج اور سود
لیا اور ظلم کر کے اپنے پڑوسی کو لوٹا اور مجھے فراموش کیا۔" (حزقی ایل ۲۲: ۳-۱۲)

یسعیاہ قوم یہود کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں: "خطا کار گروہ، بدکاری سے لدی ہوئی
قوم، بدکرداریوں کی نسل، مکار اولاد" (یسعیاہ ۱: ۴) زنا کا ایسا عموم تھا کہ پیشوایانِ
مذہب کے لڑکے عبادت کے لئے آنے والی عورتوں سے ہم آغوشی کرتے (۱۔سموئیل ۲: ۲۲)
اخلاقی سطح اس درجہ گر چکی تھی کہ کسی کے یہاں مہمان آتا تو لوگ فعل خلافِ فطرت کیلئے ٹوٹے
پڑتے، ایک ایسے ہی واقعہ میں آخر نوواردمہمان کو اپنی حرم کو اوباشوں کے حوالہ کرنا پڑا،
اور یہ اوباش بائبل کے الفاظ میں "ساری رات صبح تک اس کے ساتھ بدذاتی کرتے رہے،
اور جب دن نکلنے لگا تو اس کو چھوڑ دیا"۔ (قضاۃ ۲: ۲۵)

غالباً یہی اخلاقی برائی تھی جس کی بناپر بنی اسرائیل نے بعض انبیاءؑ اور ان کی اولاد
کی طرف ایسی گھناؤنی اخلاقی برائیوں کی نسبت کی کہ طبع سلیم کسی طور ان کو گوارا نہیں
کرتی، یہاں تک کہ "یہوداہ" جن کی طرف یہود اپنا انتساب کرتے ہیں، ان کو بھی نہیں بخشا گیا'
کہ انہوں نے اپنی بہو سے زنا کیا تھا (پیدائش ۳۸: ۱۸) بائبل اور تالمود کے مطالعہ سے
معلوم ہوتا ہے کہ مجموعی طور پر سماجی اعتبار سے زنا، معاشی اعتبار سے "سود" اور مذہبی
اعتبار سے "مصنوعی مذہبیت" ___ جس کو حضرت مسیحؑ نے "اونٹوں کے نگلنے اور مچھروں
کے چھاننے" سے تعبیر فرمایا ہے ___ قوم یہود کا خاص مزاج ہے۔

از: خالد سیف اللہ رحمانی

دینی مدارس کے نصابِ تعلیم کے بارے میں چند اہم رائیں اور مشورے

دارالعُلوم سَبیل السّلام کے نصَاب پر غور وخوض کے لئے مورخہ ۲۳، ۲۴، ۲۵ رجب ۱۴۱۰ھ کو جامعہ ھٰذا کے اساتذہ و ذمہ داران کی نشستیں ہوئیں، اسی موقع سے یہ رپورٹ پیش کی گئی، اس کا تعلق گو خاص جامعہ ھٰذا سے ہے، لیکن علماء کی جو رائیں جمع کی گئی ہیں وہ تمام ہی دینی درس گاہوں کے لئے نشانِ راہ ہیں، اس لئے "صفا" کے صفحات میں عمومی افادہ کے لئے طبع کی جارہی ہیں۔

اس میں شبہ نہیں کہ تعلیم کی اصلاح کا تعلق صرف نصاب سے نہیں، بلکہ اساتذہ کے طریقۂ تدریس، ان کی شخصی دلچسپی اور توجہ اور جس فن کی کتاب وہ پڑھا رہے ہوں، اس فن سے مناسبت سے بھی معیارِ تعلیم کا گہرا ربط ہے، تاہم اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ تعلیمی استعداد کے سلسلہ میں ایک اہم ترین عامل نصاب تعلیم بھی ہے اور وہی اساتذہ اور طلبہ کے لئے محنت کی اصل اساس اور بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے ——— اب کہ دارالعلوم سبیل السلام میں ابتدائی جماعت سے لے کر دورۂ حدیث، بلکہ "تخصص فی الفقہ" تک تعلیم ہو رہی ہے، اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ مدرسہ کے نظامِ تعلیم اور نصابِ تعلیم کا پھر سے جائزہ لیا جائے، جو کمی ہو اس کو دور کیا جائے اور کوئی نئی چیز قابلِ اخذ وقبول ہو تو اس سے اعراض بھی نہ کیا جائے کہ یہی سلف صالحین اور ہمارے بزرگوں کا توارث ہے۔ نظامِ تعلیم و تربیت کا مسئلہ ہر ادارہ کا اپنا مخصوص مسئلہ ہوتا ہے اور حالات و مقامات کے لحاظ سے اس کے منہج میں فرق بھی ضروری ہوتا ہے، اس لئے

اس پر تو خود مدرسہ کے اساتذہ اور ذمہ داران بیٹھ کر غور کریں گے اور یہ بات مناسب ہوگی کہ شوال ۱۴۱۱ھ میں ہم لوگ ایک بار پھر اس مسئلہ پر غور کرنے کے لئے بیٹھیں اور مکمل نقشۂ کار تیار کریں اور اسے نافذ بھی کریں۔

نصابِ تعلیم کا مسئلہ ایک ایسا عمومی مسئلہ ہے جس میں مختلف دینی مدارس باہم مربوط بھی ہیں، اور یہ بات بھی ضروری ہے کہ اس کے لئے زیادہ سے زیادہ اہلِ علم، ماہرین تدریس اور مختلف مکاتبِ تعلیم کی آرار کو سامنے رکھ کر ان سے استفادہ کیا جائے اور اس باب میں وسیع الفکری اور بے تعصبی کو اپنایا جائے، البتہ خواہ مخواہ آزمودہ ڈگر سے انحراف کی راہ بھی اختیار نہ کی جائے، چنانچہ مسئلہ کی اسی نزاکت کو سامنے رکھتے ہوئے ۲۵ محرم ۱۴۱۰ھ کو مدرسہ کے ناظم حضرت مولانا محمد رضوان القاسمی اپنی ایک تحریر کے ذریعہ آپ حضرات پر مشتمل ایک کمیٹی بنائی اور راقم الحروف کو اس کا کنوینر مقرر کیا، چنانچہ راقم سطور نے مدرسہ ہٰذا کے تمام اساتذہ کے علاوہ ریاست اور ملک کے ممتاز علمار اور ماہرین تدریس کو اس سلسلے میں خطوط لکھے، مدرسہ کا جاریہ نصاب بھیجا اور ان سے خواہش کی کہ وہ اپنی گرانقدر رایوں سے استفادہ کا موقع دیں، چنانچہ ملک کے مختلف اہلِ علم نے نہ صرف اپنی رائیں بھیجیں، بلکہ اس طریقۂ کار کی تحسین بھی فرمائی، اب تک جو رائیں موصول ہوئی ہیں وہ مولانا سید انظر شاہ کشمیری شیخ الحدیث دار العلوم (وقف) دیوبند، مولانا شمس الحق صاحب شیخ الحدیث جامعہ رحمانی مونگیر (بہار)، ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری شیخ الجامعہ سلفیہ بنارس، مولانا کبیر الدین صاحب شیخ الحدیث جامعہ دار السلام عمر آباد، مولانا حبیب الرحمٰن صاحب شیخ الحدیث دار العلوم حیدر آباد، مولانا سلیمان حسنی ندوی استاذِ حدیث دار العلوم ندوۃ العلمار لکھنؤ، مولانا افضال الحق قاسمی شیخ الحدیث مدرسہ ریاض العلوم گرینی جونپور، مولانا محمد قاسم صاحب مظفر پوری شیخ الحدیث مدرسہ رحمانیہ سوپول دربھنگہ (بہار)، مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی جامعہ دار السلام مالیر کوٹلہ پنجاب، مولانا خلیل الرحمٰن اعظمی جامعہ دار السلام عمر آباد، مفتی محمد یحییٰ صاحب دار العلوم حیدر آباد، مولانا نیاز احمد صاحب رحمانی استاذ جامعہ رحمانی مونگیر، مولانا مسعود عالم قاسمی ناظم شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، مولانا ڈاکٹر محسن عثمانی ندوی جواہر لال یونیورسٹی دہلی، مولانا سید شاہ صبغۃ اللہ صاحب بختاری معہد احسانی رائے چوٹی، مولانا صدر الحسن ندوی استاذ جامعہ اسلامیہ

کاشف العلوم اورنگ آباد، مفتی امان اللہ قاسمی ناظم مدرسہ مدینۃ العلوم مریال گوڑہ نلگنڈہ، مولانا عبدالستار صاحب قاسمی مہتمم مدرسہ سراج العلوم گنٹور (آندھرا پردیش) اور مولانا خورشید انور ندوی اعظمی کے علاوہ خود دارالعلوم سبیل السلام کے اساتذہ میں مولانا زبیر احمد قاسمی شیخ الحدیث، مولانا عتیق الرحمن قاسمی، مولانا فضل الرحمن قاسمی، مولانا برکت اللہ قاسمی، مولانا نور العین اعظمی (اساتذۂ حدیث) اور مولانا عباس صاحب قاسمی کی ہیں۔

ذیل میں ان حضرات کی آراء کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے، جن سے آپ حضرات کو غور وفکر اور فیصلہ میں سہولت ہوگی —— میں فن وار ان حضرات کی رائیں درج کر رہا ہوں، تاکہ ایک نظر میں ایک فن سے متعلق مجوزہ کتب آجائیں۔

۱- تفسیر و اصولِ تفسیر

مولانا سید انظر شاہ صاحب کی رائے ہے کہ تفسیر میں زمخشری اور اصولِ تفسیر میں البرہان اور الاتقان سے فائدہ اٹھایا جائے، مولانا مسعود عالم قاسمی کا خیال ہے کہ سالِ ہفتم میں تفسیر کو خصوصی اہمیت دی جائے اور الاتقان کے ضروری مباحث پڑھا دیے جائیں، مولانا شمس الحق صاحب کی رائے ہے کہ الفوز الکبیر کی جگہ تلخیص الاتقان پڑھائی جائے، مولانا عتیق الرحمن صاحب کی رائے میں الفوز الکبیر پنجم عربی میں پڑھائی جائے اور ششم عربی میں تلخیص الاتقان یا اصولِ تفسیر کی کوئی اور کتاب رکھی جائے، مولانا محمد قاسم مظفر پوری کا خیال ہے کہ تیسیر القرآن مرتبہ مولانا عبد الصمد رحمانیؒ کو داخلِ درس کئے جانے پر ضرور غور کیا جائے، مولانا محسن عثمانی ندوی کی رائے ہے کہ جلالین کے بجائے مختصر تفسیر ابن کثیر (شیخ ادریس صابونی) زیادہ مناسب ہے، مولانا خورشید انور ندوی نے بیضاوی کے ساتھ ابن کثیر اور کشاف کے کچھ حصوں کے پڑھانے کا مشورہ دیا ہے، نیز یہ کہ جلالین کے ساتھ "اعلاء ما من بہ الرحمن" کا کچھ حصہ بھی ضرور پڑھایا جائے۔

۲- حدیث و اصولِ حدیث

اصولِ حدیث میں مولانا انظر شاہ کی رائے ہے کہ مقدمہ ابن صلاح داخلِ نصاب کی جائے،

نیز سخاوی کی فتح المغیث اور سیوطی کی تدریب الراوی بھی مہمات میں سے ہیں، مولانا کی رائے ہے کہ خود دورہ میں بھی صحاحِ ستہ کا انتخاب ہی پڑھایا جائے، مثلاً ابن ماجہ سے اتباعِ سنت کا باب، بخاری سے بدء الوحی، ایمان اور علم، مسلم کا مقدمہ اور کتاب الایمان پڑھایا جائے، ابو داؤد کی سند پر توجہ دی جائے۔ مولانا نیاز احمد رحمانی نے لکھا ہے کہ بخاری، مسلم، ترمذی، ابو داؤد اور طحاوی سبقاً سبقاً پڑھائی جائے، احادیث کی تمام کتابوں کا رکھنا کیا ضروری ہے؟ ڈاکٹر محسن عثمانی ندوی کی رائے ہے کہ دورۂ حدیث میں شیخ محمود طحان کی کتاب "مصطلح الحدیث" مناسب ہوگی، مولانا مسعود عالم قاسمی نے لکھا ہے کہ دورۂ حدیث میں ابو داؤد، نسائی، طحاوی اور ابن ماجہ کے منتخب ابواب کافی ہیں، البتہ مقدمہ ابن الصلاح، کتاب الکفایۃ، تدریب الراوی، العلل المتناہیہ، المنار المنیف اور معرفۃ علوم الحدیث کے منتخب حصے پڑھا دیے جائیں، ہفتہ میں ایک گھنٹہ تخریجِ احادیث اور استنباطِ احکام کی مشق کرائی جائے، نیز حدیث کی انتیس انواع میں سے کسی ایک پر یا رجال پر، یا کسی محدث کے علمی کام پر ایک مفصل مقالہ لکھوایا جائے، مولانا صدر الحسن ندوی نے دورۂ حدیث میں ڈاکٹر مصطفیٰ صادق رافعی کی "السنۃ ومکانتہا فی التشریع الاسلامی" ڈاکٹر عجاج الخطیب کی "السنۃ قبل التدوین" اور ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی کی "دراسات فی حدیث النبوی" میں سے کسی کتاب کو خارجی مطالعہ کے لئے متعین کرنے کا مشورہ دیا ہے اور یہ بھی کہ جرح و تعدیل کے فن پر کوئی مختصر سی کتاب بھی اس جماعت میں شریکِ نصاب کی جائے، البتہ آپ کا خیال ہے کہ ہفتم عربی میں "نخبۃ الفکر" کے ساتھ "مقدمہ شیخ عبد الحق" کی ضرورت نہیں۔ مولانا عتیق الرحمٰن صاحب کی رائے ہے کہ دورۂ حدیث کے اندر صحیحین، ترمذی، اور ابو داؤد کی تکمیل کا انتظام ہو، نیز شریکِ درس دیگر کتابوں کا بھی معتد بہ حصہ پڑھایا جائے، مؤطائین اور شمائل ایک ہی گھنٹہ میں سال کے مختلف تین حصوں میں پڑھائی جائیں" مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کی رائے ہے کہ طحاوی اور مؤطا امام محمد مکمل روایۃ نہیں بلکہ درایۃً ہی پڑھائی جائے۔

۳۔ فقہ اور اصولِ فقہ

مولانا انظر شاہ صاحب کی رائے ہے کہ کنز کے بجائے "ملتقی الابحر" اور "شرح وقایہ" کی جگہ "شرح نقایہ" داخلِ نصاب کی جائے، مولانا نیاز احمد رحمانی کی رائے ہے کہ "نور الایضاح" "الفقہ المیسر" سے زیادہ مناسب ہے۔

اوراس میں مسائل زیادہ ہیں۔ ڈاکٹر محسن عثمانی کی رائے ہے کہ ہفتم عربی میں سراجی کی جگہ " فوائد فی علم الفرائض" تالیف محمد عبدالرحیم جاد بدرالدین زیادہ موزوں ہے۔ مولانا مسعود عالم قاسمی نے ششم عربی میں ابن رشد کی " بدایۃ المجتہد" کے مختلف حصوں کے اضافہ کی رائے دی ہے۔ مولانا فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی نے " سراجی" کی جگہ " قوانین الارث فی الاسلام" کو زیادہ موزوں قرار دیا ہے۔ مولانا حسیب الرحمٰن صاحب نے " کنز" کی جگہ " شرح نقایہ" کو داخلِ نصاب کرنے کی رائے دی ہے اور لکھا ہے کہ قدوری مکمل پڑھائی جائے، مولانا عتیق الرحمٰن صاحب کی رائے ہے کہ " ہدایہ جلد اول" مکمل پڑھائی جائے، مولانا خورشید انور ندوی کی رائے ہے کہ " کنز الدقائق" کی بجائے " قدوری" کے بعد بالترتیب " ہدایہ اولین، آخرین" اور ہفتم میں " الفقہ علی المذاہب الاربعہ" داخلِ نصاب کی جائے۔

اصولِ فقہ میں مولانا انظر شاہ نے " تاسیس النظر" کا مشورہ دیا ہے اور اس پر خصوصی توجہ دینے کو کہا ہے، مولانا محسن عثمانی نے نور الانوار کی جگہ " المدخل الی علم اصول الفقہ" (از ڈاکٹر معروف دوالیبی) یا " علم اصول الفقہ" (از شیخ عبدالوہاب خلاف) کی رائے دی ہے۔ مولانا کبیر الدین صاحب نے بھی " علم اصول الفقہ" کا مشورہ دیا ہے۔ مولانا صدر الحسن ندوی نے بھی بجائے " حسامی" کے اسی کتاب کو ترجیح دی ہے۔ مولانا مسعود عالم قاسمی نے سال ششم میں " الانصاف فی بیان سبب الاختلاف" کا مشورہ بھی ہے، مولانا عتیق الرحمٰن صاحب کی رائے ہے کہ اصول الشاشی اور حسامی کے علاوہ دو سال میں مکمل " نور الانوار" پڑھادی جائے، یا کسی ایک ایسی نسبتاً مختصر کتاب کا انتخاب کیا جائے جس میں قیاس و استحسان کی بحثیں آجائیں۔ مولانا قاسم صاحب مظفرپوری کے نزدیک بھی عبدالوہاب خلاف کی " علم اصول الفقہ" داخلِ نصاب کیے جانے کے لائق ہے۔ مولانا نور العین صاحب رائے ہے کہ " حسامی" سے سنت، اجماع اور قیاس کی بحثیں پڑھائی جائیں، یہی رائے مولانا نیاز احمد صاحب رحمانی کی بھی ہے، یا " حسامی" کی جگہ " علم اصول الفقہ" رکھ دی جائے۔ مولانا انظر شاہ کی رائے ہے کہ قواعد فقہ میں " الاشباہ والنظائر" بھی داخلِ نصاب ہو۔

۴۔ عقائد

مولانا انظر شاہ صاحب کی رائے ہے کہ عقائد میں " شاطبی" داخلِ نصاب کی جائے، مولانا محسن عثمانی کی رائے ہے کہ عقائد میں شاہ ولی اللہ صاحب کی " العقیدۃ الحسنہ" مناسب ہے۔ مولانا شمس الحق صاحب نے

"العقیدہ السنیہ" شرح مولانا ادریس صاحب ندویؒ کا مشورہ دیا ہے۔ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کی رائے ہے کہ شرح عقائد میں عذابِ قبر سے اخیر تک کے مباحث زیادہ ضروری ہیں، مولانا نور العین صاحب کی رائے ہے کہ شرح عقائد کے بجائے "العقیدۃ السنیہ" یا عقیدۃ الطحاوی داخلِ نصاب ہو، ور "شرح عقائد میں" "الکلام صفۃ ازلیۃ" سے اختتامِ کتاب تک داخلِ نصاب ہو۔ مولانا صدر الحسن ندوی نے "عقیدۃ الطحاوی" مع شرح ابو المعز حنفی کا مشورہ دیا ہے، مولانا خورشید انور ندوی کی رائے ہے کہ "عقیدۃ الطحاوی" (متن) تنہا عقائد کے موضوع میں کافی ہے۔

۵۔ نحو وصرف

مولانا فضیل الرحمٰن عثمانی نے "معلم الصرف" "تبویب الصرف" "تعلیمات صرف" اور "معلم النحو" کا مشورہ دیا ہے۔ مولانا عتیق الرحمٰن صاحب کی رائے ہے کہ صرف میں "پنج گنج" اور "کتاب الصرف" یا اس طرح کی کوئی اور کتاب داخلِ درس ہو، "تسہیل الصرف" میں بہت طول ہے، اسلئے اسے نہ رکھا جائے، نحو میں بھی "مفتاح النحو" کی جگہ کسی اور کتاب کا انتخاب ہو، مولانا نور العین صاحب کی رائے ہے کہ "شرح مایۃ عامل" کی تدریسی نوعیت میں تبدیلی کی جائے۔ نیز نحو میں پنجم عربی میں "شرح شذور الذہب" داخلِ نصاب کی جائے۔ مولانا زبیر احمد صاحب نے اصولی رائے دی ہے کہ ابتدائی صرف ونحو کی ایسی کتابیں ہوں، جن میں قواعد کے اجراء اور مشق وتمرین کا حصہ غالب ہو، مولانا محسن عثمانی نے "تمرین النحو" اور "تمرین الصرف" اور "کتاب النحو" و "کتاب الصرف" میں سے کسی ایک کا مشورہ دیا ہے اور "ہدایۃ النحو" کی جگہ "دروس اللغۃ العربیۃ" (شیخ مصطفٰے غلایینی) کی رائے دی ہے، مولانا خورشید انور ندوی نے "ہدایۃ النحو" کے بعد "شرح شذور الذہب" کو نحو کی آخری کتاب کی حیثیت سے پڑھانے کا مشورہ دیا ہے، مفتی امان اللہ صاحب نے تسہیل الصرف (سوم) کی جگہ "علم الصیغہ" کو زیادہ مناسب قرار دیا ہے

۶۔ ادب عربی

مولانا محسن عثمانی کی رائے ہے کہ منہاج العربیہ کی جگہ "القرأۃ الواضحہ" دوم عربی میں

"قصص النبیین" اوّل و دوم، سوم عربی میں" القراءۃ الراشدہ" اوّل کے ساتھ قصص النبیین سوم چہارم عربی میں" القراءۃ الراشدہ" دوم کے ساتھ" قصص النبیین" کا آخری حصہ خاتم النبیین داخلِ نصاب ہو۔ مولانا شمس الحق صاحب نے لکھا ہے کہ" مقاماتِ حریری" غرائب کا مجموعہ ہے، اس کی جگہ" اخوان الصفا" یا" مستطرف"، یا" منثورات" (از رابع ندوی) داخلِ درس کی جائے۔ مولانا صدر الحسن ندوی کے نزدیک بھی" مقامات" کی تدریس چنداں مفید نہیں، نظم میں آپ نے" متنبی" اور" حماسہ" کا مشورہ دیا ہے، تاریخ، ادب کی کسی مختصر کتاب اور ششم و ہفتم کی جماعتوں میں انشاء کے لئے مستقل گھنٹوں کی رائے دی ہے۔ ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری نے ادب عربی میں بعض کتابیں عرب مصنفین کی داخل کرنے کی رائے دی ہے، البتہ اس کی تعیین نہیں کی ہے، مولانا عتیق الرحمٰن صاحب نے" مقامات" کے بجائے" حماسہ" کا مشورہ دیا ہے مولانا قاسم مظفر پوری نے" دیوان متنبی" پر" حماسہ" کو ترجیح دی ہے اور لکھا ہے کہ کم از کم پانچ سو اشعار حماسہ، مراثی اور ادب کے پڑھائے جائیں، مولانا کبیر الدین صاحب نے بھی" حماسہ" سے اشعار کے انتخاب کا مشورہ دیا ہے، مولانا نور العین صاحب نے" متنبی" کو داخلِ نصاب کئے جانے کا مشورہ دیا ہے، مولانا انظر شاہ نے" متنبی" اور" حماسہ" دونوں کے منتخب حصے داخلِ نصاب کرنے کو کہا ہے۔

۷۔ بلاغت

مولانا کبیر الدین صاحب اور مولانا محسن عثمانی اور مولانا صدر الحسن صاحب ندوی اور مفتی امان اللہ صاحب نے" البلاغۃ الواضحہ" کا مشورہ دیا ہے۔ مولانا شمس الحق صاحب نے بھی" مختصر المعانی" کی جگہ" تذکرۃ البلاغۃ" یا" دروس البلاغۃ" کی رائے دی ہے۔ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے مختصر المعانی سے پہلے" دروس البلاغۃ" کی رائے دی ہے۔ مولانا عتیق الرحمٰن صاحب کی رائے ہے کہ" تلخیص المفتاح" اور" البلاغۃ الواضحہ" داخلِ نصاب ہو۔ مولانا قاسم مظفر پوری نے" البلاغۃ الواضحہ" پر" تلخیص المفتاح" کو ترجیح دی ہے۔ مولانا نور العین صاحب کا مشورہ" مختصر المعانی" کی جگہ" البلاغۃ الواضحہ" کا ہے۔ مولانا برکت اللہ صاحب کا خیال ہے کہ پنجم عربی میں" البلاغۃ الواضحہ" اور ششم عربی میں" مختصر المعانی" رکھی جائے۔

۸۔ منطق وفلسفہ

مولانا شمس الحق صاحب نے لکھا ہے کہ "مرقات" پڑھانے کے بعد "قطبی" کے "معرف" اور "قیاس" کی بحث کیوں نہ پڑھائی جائے؟ مولانا افضال الحق صاحب کی رائے ہے کہ "تیسیر المنطق" "مرقات" اور "شرح تہذیب" ناکافی ہے "سلم" تک منطق کی تعلیم ہو، مولانا برکت اللہ صاحب کی رائے ہے کہ تیسیر المنطق سوم عربی رکھی جائے تو مرقات کے سمجھنے میں سہولت ہو گی اور "ہدایۃ الحکمۃ" ششم عربی میں مناسب ہے۔ مولانا نور العین صاحب کا خیال ہے کہ "شرح تہذیب" کے بجائے "ہدایۃ الحکمۃ" ہونی چاہئے، مولانا صدر الحسن صاحب کی رائے ہے کہ منطقی اصطلاحات کے لئے صرف "تیسیر المنطق" ہی کافی ہے اور اس کو بھی جماعت پنجم میں رکھا جائے۔

۹۔ علومِ عصریہ

اکثر حضرات دینی مدارس میں علوم عصریہ کے داخل کئے جانے کے حق میں، مولانا شمس الحق صاحب نے تاریخ، جغرافیہ اور انگریزی کے داخلِ نصاب کرنے پر زور دیا ہے، مولانا انظر شاہ صاحب نے سائنس، مدنیت اور تاریخ میں "تاریخِ اسلام"، "تاریخِ ہند"، اور "تاریخِ عالم" کو بھی اہمیت دینے کی رائے دی ہے، مولانا نیاز احمد صاحب رحمانی نے خاص طور پر اکبر شاہ نجیب آبادی کی تاریخ کا ذکر کیا ہے، مولانا سعود عالم قاسمی نے فلسفہ جدیدہ پر کسی مناسب کتاب کے اضافہ کی رائے دی ہے۔ سالِ پنجم میں موصوف کی رائے ہے کہ پولٹیکل سائنس پر کوئی تعارفی کتاب رکھی جائے، نیز سالِ چہارم میں سیرت کی کتاب اور سالِ سوم میں تاریخِ اسلام کی کوئی کتاب داخلِ نصاب ہو، مولانا عتیق الرحمٰن صاحب نے لکھا ہے کہ سائنس اور جغرافیہ کی تعلیم اس حد تک ضرور دی جائے کہ جس سے مبادیات اور اصطلاحات سے واقفیت ہو جائے۔ مولانا قاسم صاحب مظفر پوری کی رائے میں معاشیات، تمدن اور طبعیات کو مستقل طور پر داخلِ نصاب نہ کیا جائے، بلکہ اس کے ضروری عنوانات پر محاضرات ہوں، اور اس کا باضابطہ امتحان ہو، البتہ انگریزی کی ابتدائی ایک دو کتابیں پڑھا دی جائیں، مولانا صدر الحسن ندوی نے بھی انگریزی کے علاوہ دوسری عصری فنون میں صرف محاضرات ہی کا مشورہ دیا ہے۔

مولانا نیاز احمد صاحب رحمانی اور مفتی محمد یحییٰ صاحب علوم عصریہ کے داخل کئے جانے کے حق میں نہیں ہیں، جب کہ مولانا عباس صاحب قاسمی کی رائے ہے کہ انگریزی کو ابتدائی درجات تک محدود نہ رکھا جائے، مفتی امان اللہ صاحب قاسمی کا خیال ہے کہ آندھرا پردیش میں تلگو زبان بھی ضرور داخلِ نصاب کی جائے۔

۱۰۔ خارجی مطالعہ

خارجی مطالعہ کے مجوزہ نصاب کی عام طور پر تحسین کی گئی ہے، مولانا محسن عثمانی ندوی نے جماعت چہارم میں "تاریخِ اسلام" (شاہ معین الدین ندوی) تاریخ دعوت وعزیمت دوم اور سوم، ششم عربی میں تاریخ دعوت وعزیمت، چہارم و پنجم، ہفتم عربی میں سیرت سید احمد شہید اول، دوم اور استاد محمود شاکری کی "حاضر العالم الاسلامی"، دورۂ حدیث میں نبی رحمت کے بجائے اصل کتاب "السیرۃ النبویہ" اور "اسلام اور جدید شبہات" کی جگہ "شبہات ماحول الاسلام" رکھنے کی رائے دی ہے، جدید علم کلام پر موصوف نے "مذہب اور سائنس"، "اسلام و جدید معاشی نظام" "سود" "پردہ" اور "تنقیحات" کو شامل کرنے کی رائے دی ہے۔ مولانا مسعود عالم قاسمی کی رائے ہے کہ دورۂ حدیث میں السنۃ و مکانتہا فی التشریع الاسلامی" "تدوینِ حدیث" "سنت کی آئینی حیثیت" "الحدیث والمحدثون" سالِ ہفتم میں" ارض القرآن" "امثال القرآن" "اعجاز القرآن" "التفسیر والمفسرون، سالِ ششم میں" مصادر التشریع الاسلامی فیما لانص فیہ" فقہ الزکوٰۃ" "جدید فقہی مسائل" سالِ پنجم میں "السیرۃ النبویۃ"، "الدعوۃ النبویۃ"، "غزوۃ النبیؐ" سالِ چہارم میں" تاریخ الخلفاء"، "تاریخ تمدنِ اسلامی" "تاریخ اسلامی ہند" "تاریخ اندلس" اور سالِ سوم میں "عبرات والنظرات کا مشورہ دیا ہے، مولانا شمس الحق صاحب نے لکھا ہے کہ خارجی مطالعہ میں اردو نظم و نثر ہونی چاہئے، مولانا عتیق الرحمن صاحب کی رائے ہے کہ البتہ مطالعہ کو آزاد نہ رکھا جائے، بلکہ ہر جماعت کو کسی استاذ سے مربوط کیا جائے اور امتحانِ سالانہ میں اس مستقل پرچہ ہو، مولانا قاسم صاحب نے سال چہارم میں "آئینۂ تاریخ ہند" (جناب افضل حسین صاحب) کی رہنمائی کی ہے، چہارم عربی میں مولانا نور العین صاحب نے "مختصر تاریخ ہند" (مولانا ابوظفر ندوی) کی نشاندہی کی ہے اور لکھا ہے کہ سوم عربی میں" انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر"

معیار اور علمی سطح سے اونچی کتاب ہے۔

فارسی

مولانا برکت اللہ صاحب نے اوّل عربی میں "آمد نامہ" اور "کریما" اور بشرط سہولت "فارسی اوّل" دوم عربی میں "فارسی کا حصہ دوم" اور "گلزار دبستان" کا نصف حصہ اور سوم عربی میں "گلستان" رکھنے کی رائے دی ہے۔

تخصص فی الفقہ

تخصص فی الفقہ کے نصاب کی عام طور پر تحسین کی گئی ہے، اس نصاب کے بارے میں مولانا سلمان صاحب ندوی نے لکھا کہ سوائے تحسین کے اور کچھ نہیں کہنا۔ مولانا صدر الحسن ندوی کی رائے ہے کہ "نصاب اچھا اور معیاری ہے"۔ البتہ آپ کا مشورہ ہے کہ دو سال کی مدت میں صرف ایک ہی تحقیقی مقالہ طلبہ سے لکھوایا جائے۔ مولانا افضال الحق صاحب کی رائے ہے کہ مولانا عبد الحیؒ، مولانا گنگوہیؒ اور مفتی کفایت اللہؒ کے فتاویٰ کا مطالعہ کرایا جائے اور تدوینِ فقہ کی اب تک کی تاریخ، تدریج اور ترتیب پر تحقیقات کرائی جائیں۔ مولانا فضیل الرحمٰن عثمانی نے "اسلامی قانون" (اردو) کو داخلِ نصاب کرنے کی رائے دی۔ مولانا قاسم صاحب کی رائے ہے کہ سورۂ بقرہ، نساء، نور، احزاب، طلاق، مجادلہ، وغیرہ سورتیں، جن میں آیات احکام زیادہ ہیں کا "احکام القرآن للجصاص" کے ساتھ مطالعہ کرایا جائے، نیز فقہ کی کسی کتاب کا از ابتداء تا انتہا مطالعہ کرایا جائے، تاکہ جملہ ابواب کا مسلسل مطالعہ ہو جائے۔ مولانا نور العین صاحب کی رائے ہے کہ "شرح رسم المفتی" کے ساتھ "شرح مہذب للنوی" کے مقدمہ اور آداب المفتی کا حصہ پڑھایا جائے۔ مولانا مفتی یحییٰ صاحب کی رائے ہے کہ تخصص کے طلبہ میں ایسی استعداد پیدا کی جائے کہ متقدمین اور متاخرین کی کتابوں سے مسائل کا استخراج کر سکیں۔

مختصر مدتی عالم کورس

اس کورس میں مولانا محسن عثمانی نے "معلم الانشاء" حصہ اوّل و دوم اور "منہاج العربیۃ" کی جگہ

"القراۃ الواضحہ"، نیز "قصص النبیین" اول تا پنجم داخل کرنے کی رائے دی ہے، مولانا سلمان صاحب کی رائے ہے کہ اس کورس میں "ہدایہ" و "بخاری" نہ رکھی جائے، بلکہ قرآن پاک، ترجمہ، مختصر تفسیر، مشکوٰۃ شریف اور "قدوری" پڑھائی جائے۔ نصاب تین سالہ ہو اور اس کورس کے لئے "عالم" کی اصطلاح استعمال نہ کی جائے۔ مولانا شمس الحق صاحب نے بھی اس کورس میں قرآن شریف کے مکمل ترجمہ اور کورس کو مختصر و آسان کرنے کی رائے دی ہے۔ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے مشورہ دیا ہے کہ موجودہ زمانہ کے طلبہ کی ذہنی سطح و صلاحیت کو سامنے رکھ کر نصاب کا تعین کیا جائے اور مولانا قاسم صاحب نے بھی لکھا ہے کہ "جلالین" کے بجائے "ترجمہ قرآن" پر اکتفاء کیا جائے۔ مولانا عبد الستار قاسمی گنتور نے مختصر مدتی عالم کورس کے نصاب کو کافی قرار دیا ہے۔ مولانا کبیر الدین صاحب نے عالم کورس کا نصاب مرتب کیا ہے، اس کی قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ آپ نے "اللغۃ العربیۃ لغیر الناطقین بہا (ڈاکٹر عبد الرحیم مدیر شعبۂ لغت عربیہ، جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ) کے تین حصوں کو دو سال میں پڑھانے کا مشورہ دیا ہے مولانا صدر الحسن ندوی نے چار سالہ نصاب تجویز کیا ہے، اور آپ کی رائے ہے کہ اصولِ فقہ کی کسی کتاب کی اس شعبہ میں ضرورت نہیں۔

متفرق لیکن اہم رائیں:

نصابِ تعلیم اور نظامِ تعلیم کی عمدگی کے سلسلہ میں مختلف اہلِ علم کی تحریروں میں بعض مفید آراء آگئی ہیں، ان کا خلاصہ ذکر کیا جاتا ہے۔

- مولانا انظر شاہ کشمیری کی رائے ہے کہ تمرین و ریاضت، اردو عربی تقریر اور عربی زبان میں باہمی گفتگو پر زور دیا جائے۔
- مولانا محسن عثمانی کی رائے ہے کہ مطلوبہ کتب دستیاب نہ ہوں تو فوٹو اسٹیٹ سے فائدہ اٹھایا جائے۔
- مولانا سلمان ندوی کی رائے ہے کہ جماعت حفظ ہی سے ہلکی پھلکی عربی زبان پڑھائی جائے تجوید، تلفظ اور عربی لہجہ پر زور دیا جائے اور ابتدائی دو تین سال میں قواعد کا بوجھ کم ہی رکھا جائے ——— نیز یہ کہ نصاب کے دو درجات کئے جائیں، نصابِ ضروری اور

نصابِ فضل۔ نصابِ ضروری پنجم عربی پر مکمل ہو اور نصابِ فضل دورۂ حدیث پر مکمل ہو۔

- مولانا سعود عالم صاحب قاسمی نے سالانہ "تدریب المعلمین" ہفتہ منعقد کرنے کی رائے دی ہے، جس میں دینی وعصری مدارس کے ماہرین شریک ہوں اور تعلیم کے نظام، طریقہ ونفسیات وغیرہ پر مذاکرہ وتبادلۂ خیال کریں۔

- ہند و بیرونِ ہند کے کسی ممتاز عالم ودانش ور یا ماہر فن کا توسیعی خطبہ ہو اور اونچے درجات کے طلبہ کے گروپ بنا دیئے جائیں، ایک گروپ مواد اور حوالے کا تجزیہ کرے، دوسرا اسلوب اور طرز بیان کا اور تیسرا تقریر میں پیش کیے گئے نکات کا۔ پھر یہ اپنا حاصلِ تجزیہ کسی ذمہ دار استاذ کے سامنے پیش کرے۔

- مولانا افضال الحق صاحب نے بھی اہلِ فن کو بلانے اور ان کے خطبات کے اہتمام پر زور دیا ہے۔

- مولانا عتیق الرحمٰن صاحب کی رائے ہے کہ ابتدائی چند سالوں میں اردو املا نویسی اور انشاء پردازی کے گھنٹے بھی ہوں —— مولانا نور العین صاحب نے بھی اسی نوع کا مشورہ دیا ہے —— اور مولانا عباس صاحب نے بھی۔

- مولانا برکت اللہ صاحب نے تجوید بہ روایت حفص کو ضروری قرار دینے کا مشورہ دیا ہے اور مولانا عباس صاحب نے بھی اس طرف توجہ دلائی ہے۔

- نصابِ تعلیم کے رہنما خطوط کی نشان دہی کرتے ہوئے مولانا مفتی محمد یحییٰ صاحب نے لکھا ہے کہ علومِ آلیہ کی کتابیں کم رکھی جائیں، علومِ عالیہ میں جو ابواب مشترک ہوں وہ کم از کم دو کتابوں میں درایۃً ہوں اور بقیہ میں روایۃً۔

- مولانا زبیر احمد صاحب نے بحیثیت مجموعی ایسی کتابوں کے انتخاب کا مشورہ دیا ہے، جن کا طرز بیان سہل، اسلوب شگفتہ اور فن پر زیادہ حاوی ہو۔

- مولانا موصوف اور مولانا قاسم صاحب مظفر پوری نے فنون کی کثرت، مضامین کے تنوع اور زبان کے بوجھ کو کم سے کم رکھنے کی تلقین کی ہے۔

- مولانا افضال الحق صاحب نے "تخصص فی القرآن" اور مولانا برکت اللہ صاحب نے انگریزی اور عربی زبان میں تخصص کی رائے دی ہے۔

• مولانا صبغت اللہ صاحب بختاری نے اکابر سے ربط اور تصوف کے علمی و عملی پہلوؤں پر توجہ دینے کو کہا ہے۔

اہلِ علم کی جو رائیں موصول ہوئی ہیں، ان کا خلاصہ آپ کے سامنے پیش کیا گیا، تاکہ غور و فکر میں سہولت ہو، بنیادی طور پر ہمیں ان امور پر بھی غور کرنا ہوگا کہ مدتِ تعلیم کیا ہو؟ تعلیم بہرحال دورۂ حدیث ہی پر منتہی ہو، یا کم صلاحیت اور کم وقت طلبہ کے لئے درمیان میں بھی عالم یا مولوی کا کوئی درجہ رکھا جا سکتا ہے؟ علومِ عصریہ کو کس حد تک داخلِ نصاب کیا جائے، کہ علومِ مقصودہ کی تعلیم پر اثر نہ پڑے، خارجی مطالعہ کی جو کتابیں ہیں، ان کا مناسب انتخاب ہو اور اس کو مفید بنانے کے لئے کیا طریقۂ کار اختیار کیا جائے۔ واضح ہو کہ خارجی مطالعہ کا موجودہ نصاب دار العلوم سبیل السلام کے زیرِ اہتمام تعلیمی موضوعات پر منعقدہ ایک مذاکرہ کے موقع پر طے پایا تھا، جس کے لئے ایک مستقل کمیٹی مقرر ہوئی تھی اور مولانا سید اکبر الدین قاسمی نائب ناظم مجلس علمیہ اس کے کنوینر تھے، اس مذاکرہ میں ریاست آندھرا پردیش کے تقریباً تمام دینی مدارس کے نمائندے شریک تھے۔ یہ بات خاص طور پر قابلِ غور ہے کہ طلبہ کی نحو و صرف کس طرح بہتر ہو؟ اور عربی زبان و ادب کا ذوق ان میں کس طور پیدا کیا جائے؟ نحو و صرف کی ابتدائی کتاب کون سی پڑھائی جائے، یہ بات بھی غور کرنے کی ہے کہ کیا کوئی ایسا موضوع ہے جس پر نصابی نقطۂ نظر سے مستقل تحریر مرتب کرنے کی ضرورت ہے؟ اور مدرسہ کے مختلف اساتذہ کو اس کا کام سونپا جائے، جس کو وہ تجربہ کار اساتذہ کے مشورہ سے انجام دیں اور بیاض ہی کی صورت میں چند سال اس پر تجربہ کیا جائے، دورۂ حدیث کی کتابوں کے سلسلہ میں یہ بات خصوصیت سے لائقِ توجہ ہے کہ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ تمام کتابیں یعنی صحاحِ ستہ داخلِ نصاب رکھ کر مختلف کتب میں درایۃً اور روایۃً تدریس کے حصے مقرر کر دیئے جائیں، نیز کیا یہ بات مناسب ہوگی کہ مختلف دوسرے اسلامی علوم میں تخصص کا نصاب مقرر کر دیا جائے، تاکہ جب بھی حالات موزوں ہوں اس نقشہ میں رنگ بھرا جا سکے —— امید ہے کہ ان گوشوں پر آپ حضرات پورے عمق اور وسیع الفکری کے ساتھ غور فرمائیں گے —— نہ ہمارے لئے یہ مناسب ہے کہ ہم اپنے قدیم سرمایہ کو محض اسلئے کم قابلِ اعتنا سمجھیں کہ وہ قدیم ہے اور نہ ہر جدید کو اس لئے رد کر دیں کہ اس کا دامن قدامت کے تقدس سے سرفراز نہیں، خواہ وہ کسی قدر بھی مفید اور نافع ہو۔

اخیر میں ہم حضرت ناظم صاحب کے شکر گذار ہیں کہ انہوں نے اس اہم معاملہ کی طرف توجہ فرمائی

فرمائی، اور ہمیں غور و فکر کی دعوت دی، اور آپ حضرات کا بھی سپاس گذار ہوں کہ آپ نے موضوع کی اہمیت کا احساس کیا اور اس کے لئے غور و فکر کی زحمت فرمائی ــــــ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

خالد سیف اللہ رحمانی - ۲۲ رجب ۱۴۱۰ھ

چنانچہ اس رپورٹ کو سامنے رکھتے ہوئے دار العلوم سبیل السلام کے جاریہ نصاب پر غور کیا گیا اور بعض مفید ترمیم اور اضافے تجویز کئے گئے، اس میں اس بات کو ملحوظ رکھا گیا کہ جہاں مناسب ترمیم اور اضافے کو قبول کیا جائے وہیں ہندوستان کے دینی مدارس کے مروج نصاب و نظام سے ممکن حد تک انحراف سے بچا جائے، جو نصاب مقرر کیا جائے، اس میں دینی مدارس کے موجودہ طلبہ کی استعداد اور صلاحیت کی عام سطح کو بھی ملحوظ رکھا جائے، علومِ عصریہ کی اہمیت کا احساس کیا جائے مگر توازن و اعتدال کا دامن بھی ہاتھ سے نہ چھوڑا جائے اور عربی ادب و انشاء کی اسلامی علوم کے لئے جو اہمیت ہے اس کو نظر انداز بھی نہ کیا جائے لیکن ادب کو علومِ شرعیہ پر غالب کرنے کی بے ادبی بھی نہ کی جائے ــــــ طے شدہ ترمیمات کا خلاصہ درج ذیل ہے:

۱۔ دورۂ حدیث میں مکمل صحاحِ ستہ، مؤطین اور طحاوی اور شمائل ترمذی کو نصاب میں شامل کیا گیا ہے کیونکہ اخذِ حدیث میں "نفس روایت الفاظ" کی بھی اہمیت ہے، البتہ طے پایا کہ بخاری اور ترمذی مکمل درایۃً پڑھائی جائے، طحاوی کے لئے پورے سال ایک مستقل گھنٹہ رکھا جائے اور معتدبہ حصہ پڑھا دیا جائے، دوسری کتابوں میں درایۃً اسباق کے لئے مختلف ابواب کی اس طرح تقسیم کر دی جائے کہ علاوہ بخاری و ترمذی کے کم از کم ایک جگہ ہر اہم بحث بالتفصیل آجائے، نیز "مشکوٰۃ" سے پہلے اور "ریاض الصالحین" کے بعد "آثار السنن" تجویز کی جائے۔

۲۔ تفسیر میں بیضاوی کے ساتھ کچھ حصے کشاف کے پڑھائے جائیں اور متن قرآن کے ترجمے سے پہلے مفردات و تراکیبِ قرآن پر دو سال میں مولانا عبد الصمد رحمانی رح کی تیسیر القرآن داخلِ نصاب کی جائے، نیز اصولِ تفسیر میں الفوز الکبیر کے ساتھ تلخیص الاتقان بھی پڑھائی جائے

۳۔ فقہ میں موجودہ نصاب کو برقرار رکھتے ہوئے "قدوری" میں کتاب البیوع سے تا ختم پڑھائی جائے تاکہ فقہ کے تمام ابواب ایک نظر میں آجائیں۔

۴۔ ادب میں نثر کی آخری کتاب کی حیثیت سے مختارات اول و دوم اور نظم میں متنبی اور حماسہ کے پانچ سو اشعار کا انتخاب پڑھایا جائے۔

۵۔ اصول فقہ میں مروجہ کتابوں کو رکھتے ہوئے "علم اصول الفقہ" (عبدالوہاب خلاف) اور "اصول الشاشی" سے پہلے مولانا صدیق صاحب باندوی کا مختصر رسالہ "تسہیل اصولِ فقہ" پڑھائی جائے۔

۶۔ نحو میں ابتدائی جماعت میں قواعد کے اجراء کے لئے "تمرین النحو" بھی شامل کی گئی ہے، اس کے علاوہ نحو میر، ہدایۃ النحو، کافیہ اور شرح شذور الذہب پڑھائی جائے۔

۷۔ صرف میں قدیم نصاب کے مطابق "میزان الصرف" "پنج گنج" اور "علم الصیغہ" ہی کی تدریس کو زیادہ مناسب تصور کیا گیا۔

۸۔ بلاغت میں مختصر المعانی کی جگہ "البلاغۃ الواضحہ" اور اس سے پہلے "تلخیص المفتاح" داخلِ نصاب کی گئی۔

۹۔ منطق میں تیسیر المنطق، مرقات، اور شرح تہذیب اور فلسفہ میں صرف ہدایۃ الحکمہ رکھا جانا طے پایا ہے۔

۱۰۔ عقائد میں بجائے شرح عقائد کے شرح فقہ اکبر کا انتخاب کیا گیا۔

۱۱۔ علومِ عصریہ میں پانچویں جماعت تک انگریزی کے گھنٹے رکھے جانے کے علاوہ جغرافیہ، تاریخ ہند، تاریخِ اسلام اور حساب کی بھی ایک ایک کتاب مختلف جماعتوں میں داخلِ نصاب کی گئی، اور طے پایا کہ سماجی علم، معاشیات اور سیاسیات وغیرہ کی اصطلاحات و مبادیات پر محاضرات رکھے جائیں۔

۱۲۔ تجوید و قرارت کو بھی موجودہ نصاب میں اہمیت دی گئی ہے۔

۱۳۔ اردو زبان میں عبور و مہارت کی غرض سے فارسی زبان کو بھی خصوصی اہمیت دیتے ہوئے اعدادیہ کی جماعت میں فارسی ہی غالب رکھی گئی ہے۔

۱۴۔ متوسط جماعتوں میں انشاء اور تمرین عربی کے لئے مستقل گھنٹہ رکھا گیا ہے اور اس پر خاص زور دیا گیا ہے۔

۱۵۔ اساتذہ کے زیرِ نگرانی خارجی مطالعہ کے لئے پنجم عربی میں "ارض القرآن" (علامہ سید سلیمان ندویؒ)،

اور"علوم القرآن" (مولانا تقی عثمانی) اور ششم عربی میں "جواہر الفقہ" اور "جدید فقہی مسائل" ہفتم عربی میں "تدوین حدیث" مولانا گیلانیؒ، اور مقدمہ "ترجمان السنۃ" اور دورۂ حدیث میں "علم جدید کا چیلنج" (مولانا وحید الدین خاں) اور "شبہات حول الاسلام" (سید قطبؒ) رکھی گئی، جن کا باضابطہ امتحان ہوا کرے گا۔

۱۶۔ پنجم، ششم، ہفتم کی جماعتوں کی سند کے لئے قرآن پاک کی منتخب سورتوں اور احادیث کے حفظ کا ایک نصاب مرتب کیا گیا ہے، جن کی تکمیل ضروری ہے۔

۱۷۔ اس بات کی گنجائش رکھی گئی ہے کہ کوئی طالب علم ششم عربی کی کتابوں کے ساتھ "البلاغۃ الواضحہ" اور "متنبی وحماسہ" کے بجائے ترمذی اول دوم کے اسباق میں شرکت کرے تو اسے عالمیت کی سند دی جائے گی اور دورۂ حدیث کی تکمیل پر فضیلت کی سند دی جائے گی۔

۱۸۔ مختصر مدتی عالم کورس کا نصاب پانچ سالہ برقرار رکھا گیا اور اس کو کافی سہل کر دیا گیا ہے، اب فقہ کی آخری کتاب قدوری ہوگی، متن قرآن کا ترجمہ پڑھا دیا جائے گا، صرف "ریاض الصالحین" حدیث میں پڑھائی جائے گی اور اس کی تکمیل کرنے والوں کو "عالمیت" کے بجائے "عالم دینیات" کی سند دیجائیگی۔

دارالعلوم کا مکمل نصاب زیر طبع ہے، جو حضرات چاہیں طلب کر سکتے ہیں۔ خدا کرے یہ تبدیلیاں اور اضافے مفید ثابت ہوں۔

مولانا غلام محمد صاحب (کراچی)

دعوتِ دین کا پیغمبرانہ اسلوب

خوب ذہن میں رہے کہ ہمیں پیغمبرانہ دعوت کے اصول نہیں، بلکہ اس کے اسلوب کو سمجھنا ہے۔ عربی و فارسی لغت کے اعتبار سے "اسلوب" کے معنیٰ ہیں وضع، طرز اور روش، لہٰذا ہمیں دیکھنا ہے کہ پیغمبر خاتم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نوعیت اور ہمہ گیری کے اعتبار سے تیئیس ۲۳ برس کی قلیل مدت میں دینِ اسلام کو ادیانِ عالم پر جو غالب کر دکھایا اور ایک ایسی اسلامی مملکت قائم فرما دی جس نے قیصر و کسریٰ کی طاقتوں کو لرزا دیا۔ تو اس ساری کاوش میں آپ کا اسلوبِ کار کیا رہا؟ کون سا راستہ آپؐ کے طرزِ عمل سے ابھر آیا، دیکھئے: وما ارسلناك الا رحمة للعالمین کی نص قرآنی یہ رمز کشائی کر رہی ہے کہ پیغمبرانہ اسلوبِ دعوت کی دو لفظی تعبیر "اسلوبِ رحمت" ہے۔ مگر جس طرح حضور اکرمؐ کا اسم گرامی محمدؐ تخلیقِ الٰہی کے سارے جمال کی انتہائیوں کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے اسی طرح "اسلوبِ رحمت" کے دو لفظوں میں آپؐ کی دعوت کی ساری حکمتیں اور آپؐ کے قلبِ اطہر کے سارے داعیات اور محرکات کی لطافتیں جمع ہو گئی ہیں اور اس اعجاز کے ساتھ کہ:

ع: مثل حسنك ما راينا

کی دل ربائی اور جاذبیت پیدا ہو گئی ہے ——— حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ماسبق انبیاء علیہم السلام کے بالمقابل آپ کی دعوت چونکہ عالمگیر بھی ہے اور اس کو قیامت تک رہنا بھی ہے، اس لئے آپؐ کے اعلانِ نبوت کے بعد سب انبیاءؑ کے پیامات منسوخ اور ہدایت کا ہر چراغ بجھ چکا ہے، اب تو ساری انسانیت پر صرف اور صرف

محمد عربی فداہ ابی و امی کا راج ہے، ہر طرف ان ہی کا دور دورہ ہے اور اسی لئے لامحالہ ساری انسانیت اب صرف آپ ہی کی امت ہے، چاہے افرادِ امت آپ کو مانیں یا نہ مانیں، البتہ فرق یہ پیدا رہے گا کہ ماننے والے " امتِ اجابت" کہلائیں گے اور آپؐ کے مستحق شفاعت رہیں گے اور نہ ماننے والوں کا گروہ یا طبقہ "امتِ دعوت" متصور ہوگا، یعنی امت کا ایسا حصہ یا طبقہ جس پر دعوت و تبلیغ کا کام جاری رکھنا ہے۔

غور کیجئے کہ صفا کی چوٹی سے جس وقت یکا و تنہا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ قریش کو توحیدِ الٰہ اور ختمِ نبوت کی طرف بلایا تو اس وقت صرف قریش ہی سے نہیں بلکہ حقیقتاً آپؐ کُل انسانیت سے مخاطب تھے، پھر ان میں سے جن لوگوں نے آپ کی آواز پر لبیک کہا وہ آپؐ کے کہلائے اور آپؐ نے ان کی پرداخت مزید رافت و شفقت سے فرمائی اس طرح آپؐ کے اسلوبِ دعوت میں درجہ بدرجہ فرق نمایاں ملتا ہے۔ اس حقیقت کا سراغ ہمیں بتوفیقِ الٰہی نصِ قرآن ہی سے ملا ہے، سورۂ توبہ کی آخری آیت سے پہلی آیت پاک ہے:

لقد جاء کم رسول من انفسکم عزیزٌ علیہ ما عنتم حریص علیکم بالمؤمنین رؤفٌ رحیمٌ۔

تمہارے پاس ایک ایسے پیغمبر تشریف لائے ہیں جو تمہاری جنس سے ہیں، جن کو تمہاری مضرت کی بات نہایت گراں گذرتی ہے، جو تمہاری منفعت کے بڑے خواہش مند رہتے ہیں، ایمانداروں کے ساتھ بڑے ہی شفیق و مہربان ہیں۔ (بیان القرآن)

غور سے دیکھئے تو اس آیت کے پہلے جزو عزیزٌ علیہ الخ میں قلبِ نبویؐ کے اس درجہ رحمت کا ذکر ہے، جس کا تعلق "امتِ دعوت" سے ہے، اور آیت پاک کے دوسرے جزو و بالمؤمنین رؤف الخ میں رحمتِ خاص کے اس درجہ کا بیان ہے جس کا تعلق صرف "امتِ اجابت" سے ہے، یعنی آپؐ کا دعوتی اسلوب ہے تو اسلوبِ رحمت ہی، مگر امتِ دعوت کے معاملے میں رحمت سوز و گداز اور بہی خواہی کی حرص کا رنگ لئے ہوئے ہے اور امتِ اجابت کے معاملے میں رحمت نے رؤفیت اور رحیمیت کا دلبرانہ انداز اختیار کرلیا ہے۔

علاوہ ازیں اسی آیتِ پاک سے ایک اور نکتہ بھی ہاتھ آگیا کہ پیغمبرانہ اسلوبِ دعوت

قلبی اور فعلی دو اجزاء سے مرکب ہے، یا اس کے دو پہلو ہیں، ایک باطنی دوسرا ظاہری اور ان میں اولیت، اقدمیت اور اہمیت قلبی اور باطنی پہلو ہی کو حاصل ہے جسکی تائید مزید اس آیت سے ملتی ہے۔

لو کنت فظاً غلیظ القلب لانفضوا من حولك ۝ (آلِ عمران - ۱۵۹)
اگر آپؐ تند خو اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ آپؐ کے اطراف سے چھٹ جاتے۔

یہاں پروانوں کے جمگھٹے کی علت شمعِ قلبی کے سوز و گداخت کو قرار دیا گیا ہے۔

ع: تا نہ سوزد شمع کئے پروانہ شیدامی شود

غرض پیغمبرانہ اسلوبِ دعوت میں ضروری ہے کہ داعی کا قلب امت کے دکھ سے مغموم و محزون اور اس کی صلاح و فلاح کی کسک اور تڑپ سے بے چین ہو اور وہ اہلِ ملت کو کامرانیٔ آخرت تک پہونچانے میں مضطرب ہو جائے اور خلوتِ خاص سے نکل کر اپنے ننگ و ناموس کی بازی لگا کر کوچۂ و بازار میں، مسجد و کنشت میں، دیر و حرم میں اور کنجِ غریب اور کاشانۂ امیر میں کھینچ کر "حی علی الفلاح" کی منادی کرنے لگ جائے اور اس جانکاہی اور جہدِ مسلسل میں کسی سے کسی اجر کا خیال اس کے واہمہ سے بھی دور رہو، پھر یہ بھی ضروری ہے کہ اس کی راتیں عبادتِ الٰہی کے ساتھ ساتھ الحاح وزاری اور امت کی فلاح خواہی کی نامختتم دعاؤں کے لئے وقف رہیں۔ یہ طرز و معاملہ "امت دعوت" کے ساتھ ہے،

اس شبانہ روز جہد و کاوش سے جو لوگ پیغمبرانہ آواز پر لبیک کہیں اور داعی الی اللہ کی حلقہ بگوشی میں فخر محسوس کرنے لگیں تو اس "امتِ اجابت" کے ساتھ اسلوبِ رحمت کا اور زیادہ دل ربایانہ انداز اختیار کر لینا لازمی ہے، یعنی ان کی تربیت کر کے انہیں کمالِ انسانیت تک پہونچانے کے لئے رؤفیت اور رحیمیت کا فیضان ناگزیر ہے، اسی لئے حق تعالیٰ نے فرمایا کہ آپؐ بالمؤمنین رؤف رحیم ہیں، یعنی اہلِ ایمان کے ساتھ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قلبی نوازشات اور کرم ارزانیاں بے حد و انتہا ہیں، اور آپ چاہتے ہیں کہ جس صبغۃ اللہ میں میں خود رنگا ہوا ہوں ہر حلقہ بگوش کو بھی

اسی رنگ میں رنگ ڈالیں ہے

شباب رنگیں، بہار رنگیں وہ سر سے پا تک تمام رنگیں
تمام رنگیں بنے ہوئے ہیں، تمام رنگیں بنا رہے ہیں

باطنی اسلوب کی اس مختصر توضیح کے بعد آئیے اب پیغمبرانہ اسلوبِ دعوت کے خارجی یا عملی پہلو کا قدرے تفصیلی جائزہ لیں کہ انسانی آنکھ کا پہلا واسطہ ظاہر ہی سے ہوتا ہے اور اثر پذیری کا نقطۂ آغاز پہلی نظر ہی ہوتی ہے۔

پیغمبر کے ظاہر اسلوبِ دعوت کی اولین شرط یہ ہے کہ داعی اپنی دعوت کا خود مرقع ہے وہ جب کوئی بات کہے تو سننے والے اس کی آواز، اس کے الفاظ اور اس کے لہجہ کی قوت کو اس کی ذات میں متشکل پاسکیں، داعی اپنے قول کا خود نفسی شاہد ہو۔

؎ روئے و آوازِ پیمبر معجزہ ست (رومیؒ)

چنانچہ یہ اسلوب درجۂ اعجاز میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت و تبلیغ میں نمایاں نظر آتا ہے ——— بقول عظیم و مقبول سیرت نگار حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ :-

"آپؐ نے لوگوں کو خدا کی یاد اور محبت کی نصیحت کی، صحابہؓ کی زندگی میں اس تلقین کا جو اثر نمایاں ہوا وہ تو الگ چیز ہے، خود آپؐ کی زندگی کہاں تک اس کے مطابق تھی اس پر غور کرو، شب و روز میں کم کوئی ایسا لمحہ تھا جب آپؐ کا دل خدا کی یاد سے اور آپ کی زبان خدا کے ذکر سے غافل ہو، اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، کھاتے پیتے، سوتے جاگتے، پہنتے اوڑھتے ہر حالت میں اور ہر وقت خدا کا ذکر اور اس کی حمد زبانِ مبارک پر جاری رہتی تھی"(۱) آپؐ نے لوگوں کو نماز کا حکم دیا ——— مگر خود آپؐ کا حال کیا تھا؟ عام پیروؤں کو تو پانچ وقتوں کی نمازوں کا حکم

---

(۱) خطباتِ مدراس، خطبۂ "عملیت"

تھا، مگر خود آپؐ آٹھ وقت نماز پڑھتے تھے..... پنج وقتہ نماز کی فرضیت کے بعد تہجد کی نماز عام مسلمانوں سے معاف ہو گئی، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو بھی تمام عمر ہر شب ادا فرماتے رہے، اور پھر کیسی نماز؟ کہ رات رات بھر کھڑے رہ جاتے، کھڑے کھڑے پائے مبارک میں ورم آ جاتا، حضرت عائشہؓ عرض کرتیں: اللہ نے تو آپ کو ہر طرح معاف کر دیا ہے، پھر اس قدر کیوں تکلیف اٹھاتے ہیں، فرماتے: اے عائشہؓ! کیا میں خدا کا شکر گذار بندہ نہ بنوں[1]؟ آپؐ نے روزہ کا حکم دیا، عام مسلمانوں پر سال میں تیس ۳۰ دن کے روزے فرض ہیں، مگر خود آپؐ کی کیفیت کیا تھی؟ کوئی ہفتہ اور کوئی مہینہ روزوں سے خالی نہیں جاتا تھا، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں، جب آپؐ روزے رکھنے پر آتے تو معلوم ہوتا تھا کہ اب کبھی افطار نہ کریں گے[2]! آپؐ نے لوگوں کو زکوٰۃ و خیرات کا حکم دیا تو پہلے خود اس پر عمل کر کے دکھایا، حضرت خدیجہؓ کی شہادت تم سن چکے ہو کہ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! آپؐ قرض داروں کا قرض ادا کرتے ہیں، غریبوں اور مصیبت زدوں کی مدد کرتے ہیں..... حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ آپ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ سخی تھے اور سب سے زیادہ سخاوت آپ رمضان المبارک میں فرماتے تھے، تمام عمر کسی سوال کے جواب میں نہیں کا لفظ نہیں فرمایا..... خود فرمایا کرتے: "انما انا قاسم و خازن واللہ یعطی"، میں تو بانٹنے والے اور خزانچی کی حیثیت رکھتا ہوں، اصل دینے والا تو خدا ہے[3]۔ آپؐ نے زہد و قناعت کی تعلیم دی لیکن اس راہ میں آپؐ کا طرزِ عمل کیا تھا؟ عرب کے گوشہ گوشہ سے جزیہ، خراج، عشر اور زکوٰۃ و صدقات کے خزانے لدے چلے آتے تھے، مگر امیرِ عرب کے گھر میں وہی فقر تھا، وہی فاقہ تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت عائشہؓ کہا کرتی تھیں کہ حضورؐ اس دنیا سے تشریف لے گئے، مگر دو وقت بھی سیر ہو کر

---

(۱) خطبات مدراس - خطبۂ "عملیت"

آپؐ کو کھانا نصیب نہیں ہوا[1]، آپؐ نے لوگوں کو ایثار کی تعلیم دی تو ساتھ ہی ان کے سامنے اپنا نمونہ بھی پیش کیا، حضرت فاطمہؓ سے جو آپؐ کو محبت تھی، وہ ظاہر ہے مگر انہی حضرت فاطمہؓ کی عسرت و تنگ دستی کا یہ عالم تھا کہ چکّی پیستے پیستے ہتھیلیاں گھس گئی تھیں اور مشک میں پانی بھر بھر کر لانے سے سینہ پر نیل کے داغ پڑ گئے تھے ایک دن انہوں نے حاضر ہو کر پدرِ بزرگوار سے ایک خادمہ کی خواہش ظاہر کی، ارشاد ہوا: اے فاطمہ! اب تک صُفّہ کے غریبوں کا انتظام نہیں ہوا ہے تو تمہاری درخواست کیونکر قبول ہو۔ دوسری روایت میں ہے کہ فرمایا، بدر کے یتیم تم سے پہلے درخواست کر چکے ہیں"[2]۔ خدا پر اعتماد، توکل اور بھروسہ کی شان دیکھنا ہو تو محمد رسول اللہؐ میں دیکھو...... (معرکۂ کارزار میں) ایسے موقعے بھی آئے کہ مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے اور وہ پیچھے ہٹ گئے مگر خدا کی نصرت اور مدد پر اعتمادِ کامل رکھنے والا پہاڑ کی طرح اپنی جگہ قائم رہا..... حنینؔ کے میدان میں ایک دفعہ دس ہزار تیروں کا جب مینہہ برسا تو تھوڑی دیر کے لئے مسلمان پیچھے ہٹ گئے، مگر ذاتِ اقدس اپنی جگہ پر تھی، ادھر سے تیروں کی بارش ہو رہی تھی، ادھر سے انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب کا نعرہ بلند تھا[3]"۔ تم نے دشمنوں کو پیار کرنے کا وعظ سنا ہو گا، لیکن اس کی عملی مثال نہیں دیکھی ہو گی، آؤ مدینہ کی سرکار میں تم کو دکھاؤں...... ابو سفیانؔ کون جو بدرؔ، اُحدؔ، خندقؔ وغیرہ لڑائیوں کا سرغنہ تھا...... فتح مکہ سے پہلے جب حضرت عباسؓ کے ساتھ آپ کے سامنے آتا ہے، تو گو اس کا ہر جرم اس کے قتل کا مشورہ دیتا ہے مگر رحمتِ عالمؐ کا عفوِ عام ابو سفیان سے کہتا ہے کہ ڈر کا مقام نہیں، محمد رسول اللہؐ انتقام کے جذبہ سے بالاتر ہیں۔ پھر حضورؐ نہ صرف اس کو معاف فرما دیتے ہیں، بلکہ فرماتے ہیں: ——— من دخل دار

---

(۱) خطبات مدراس، خطبۂ عملیت۔ (۲) " " " (۳) " " "

ابی سفیان کان آمنا"[1] ۸ھ میں مسلمانوں کی فوج اسی طائف کا رخ جس کے شہریوں نے سب سے زیادہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت پہونچائی تھی، محاصرہ کرتی ہے ..... قلعہ فتح نہیں ہوتا ہے، بہت سے مسلمان شہید ہوتے ہیں، آپ واپسی کا ارادہ فرماتے، پر جوش مسلمان نہیں مانتے، طائف پر بد دعا کی درخواست کرتے ہیں، آپ ہاتھ اٹھاتے ہیں، مگر کیا فرماتے ہیں: خداوندا! طائف کو ہدایت کر اور اس کو اسلام کے آستانہ پر جھکا"[2]

غرض تفصیل کے لئے ایک دفتر چاہیئے، حاصل عرض یہ ہے کہ داعیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارک اپنی دعوت کا ایک کھلا عملی شاہکار تھی۔

پیغمبرانہ اسلوبِ دعوت میں نفسی شہادت یا داعی کی عملیت کے بعد دوسرا جزو دعوت کی پیش کش کا نہج ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ پاک سے جو روشنی ملتی ہے وہ یہ ہے کہ مجادلانہ ومناظرانہ پیرائے سے بچتے ہوئے فطرت بشری کو مخاطب بنایا جائے، دماغ سے زیادہ دل سے دل پر زد لگائی جائے اور اس کے لئے خطیبانہ زور اور نفسیاتِ اجتماعی سے بھی کام لیا جائے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام خطبات سے یہی کچھ سمجھ میں آتا ہے، مثال کے لئے کوہِ صفا کے پہلے اعلانِ حق اور حجۃ الوداع کے آخری اعلانِ منشور کو یہاں پیش کیا جاتا ہے، اس کے اسلوب کو خاص طور پر دیکھنے کی ضرورت ہے۔

صفا کی منادی

فاصدع بما تؤمروا عرض عن المشرکین (الحجر۹۴) آپ کو جو حکم خدا کی طرف سے ملا ہے وہ لوگوں کو سنا دیجئے اور مشرکوں کا ذرا خیال نہ کیجئے۔

کا حکم پاکر جب ہادی اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوہِ صفا پر چڑھے تو پہلے آپ نے یہ صدا لگائی: یا صباحاہ"[3] یعنی خطرہ، خطرہ! اس آواز کا سننا تھا کہ سارے

---

(۱) دیکھو "نبی رحمت" از مولانا سید ابو الحسن علی ندوی، جلد اول ص ۱۲۱ (۲) صحیح بخاری۔ (۳) حوالہ نبی رحمت سابق

قبائل کے لوگ دامنِ کوہ میں آپہونچے، تب آپؐ نے فرمایا اور استفہامیہ پیرایہ میں خطاب کا آغاز کیا کہ :

"اگر میں تم سے یہ کہوں کہ پہاڑی کے عقب سے ایک لشکر آ رہا ہے، تو تم کو یقین آئے گا؟ سب نے کہا ہاں، کیونکہ تم کو ہمیشہ سے ہم نے سچ بولتے دیکھا ہے" آپؐ نے فرمایا: "تو میں یہ کہتا ہوں کہ اگر تم ایمان نہ لاؤ گے تو تم پر عذابِ شدید نازل ہوگا"[1]

مولانا ابوالحسن علی ندوی نے حضور اکرمؐ کے اس پر حکمت خطاب کے متعلق لکھا ہے کہ :

"واقعہ یہ ہے کہ اس سے مختصر اور آسان راستہ اور اس سے زیادہ قابلِ فہم اور واضح پیرائیہ بیان کوئی اور نہیں ہوسکتا تھا"[2]

اب آخری خطبہ حجۃ الوداع کے چند اقتباسات سنئے: حمد باری تعالےٰ کے بعد آپؐ نے ارشاد فرمایا:

"لوگو! میری باتوں کو توجہ سے سنو! اس لئے کہ شاید اس سال کے بعد پھر اس جگہ کبھی بھی تم سے ملاقات نہ کرسکوں۔ اے لوگو! تمہاری جانیں اور تمہارے مال تم پر حرام ہیں اور اسی طرح حرام ہیں، جس طرح آج کا دن حرام ہے۔ آج کے دن ہر سود ختم کردیا گیا، مگر اصل مال وہ تمہارا حق ہے، حلال ہے، اور سب سے پہلے اپنے خاندان کا سود، عباس بن عبد المطلب کا سود باطل قرار دیتا ہوں، ہر خونِ ناحق جو جاہلیت میں بہایا گیا باطل کردیا گیا اور پہلا خون جس کو میں ختم کرتا ہوں وہ ابنِ ربیعہ بن حارث بن عبد المطلب کا خونِ ناحق ہے، جب وہ ایامِ شیر خوارگی میں بنی لیث میں تھے اور ان کو بنی ہذیل نے

---

(۱) صحیح بخاری۔

(۲) دیکھو "نبی رحمتؐ" از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، ج ۱ ص ۱۲۱۔

قتل کر دیا تھا۔

اے لوگو! شیطان اب اس سے مایوس ہوگیا کہ وہ تمہاری زمین میں پھر کبھی پوجا جائے، لیکن اور کاموں میں لوگ اس کی اطاعت کریں گے۔

اے لوگو! زمانہ گھوم کر اپنے مرکز پر آگیا ہے اور اسی مرکز پر آگیا ہے جس دن اللہ تعالٰی نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا تھا۔"[1]

خطبات کے مندرجہ بالا مختصر اقتباسات سے اندازہ ہوا ہوگا کہ دعوت پیش کرنے کا پیغمبرانہ اسلوب کیا تھا؟

اسی ضمن میں ایک اہم بات یہ بھی دیکھنی ہے کہ گو داعی اسلام کے لئے اپنے دین کی حقانیت کا اظہار ناگزیر ہے، مگر اس اظہارِ حق میں باطل مذاہب کی تردید میں اس کو کیا رویہ اختیار کرنا چاہیئے؟ بالفاظ دیگر اس میں پیغمبرانہ اسلوب کیا رہا ہے۔ سیرت ابن ہشام جلد دوم میں یہ روایت موجود ہے کہ ایک مرتبہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفسِ نفیس یہودیوں کی ایک عبادت گاہ میں تشریف لے گئے اور ان پر اللہ کی دعوت پیش کی تو نعمان بن عمرو اور حارث بن زید نے آپ سے پوچھا کہ آپ خود کس دین کے پیرو ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا: علی ملة ابراهیم و دینه ——— یعنی حضرت ابراہیمؑ کے مشرب اور دین پر۔ اس پر ان دونوں نے کہا کہ ابراہیم تو یہودی تھے۔ حضور اکرمؐ نے جواباً ارشاد فرمایا:

فهلموا الی التورات فهی بیننا و بینکم۔	اچھا توریت لاؤ وہ ہمارے تمہارے درمیان فیصلہ کرے گی۔

یہ جوابِ مبارک ان کے لئے مسکت بھی تھا اور دل میں اتر جانے والا بھی تھا، یہ اور بات ہے کہ ہٹ دھرمی کی وجہ سے انہوں نے اس پیش کش کی قدر نہ کی، مگر

---

(۱) الکامل ابن اثیر جلد دوم۔

(۲) صفحہ ۲۷۹ ترجمہ شائع شدہ دار الترجمہ جامعہ عثمانیہ، حیدر آباد، دکن۔

قرآن پاک کی آیت نمبر ۲۳ سورہ آل عمران کے ان الفاظ سے کہ ثُمَّ یَتَوَلّٰی فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ (ایک جماعت نے روگردانی اختیار کی)، یہ پتہ چلتا ہے کہ سامعین میں سے ایک جماعت تو قائل ہو ہی گئی اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اسلوبِ دعوت اثر انداز ہو کر رہا۔

اس واقعہ سے ہمیں یہ سبق ملا کہ اہلِ کتاب میں تبلیغ، ان کے مذہب و کتاب کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے خود ان کی کتابوں کے حوالے سے ہونی چاہیئے، یہی سب سے قریبی، محفوظ اور اثر آفریں طرزِ دعوت ہے، جس میں معاندانہ جذبات کی آگ کو بجھا کر ہمدردانہ غور و فکر کی ذہنی فضا پیدا ہو سکتی ہے۔

اور دیکھیئے داعیِ اسلام خواہ خود مناظرہ و مجادلہ سے محترز رہے، مگر کبھی ایسے مواقع بھی آجاتے ہیں کہ خواہی نہ خواہی اس کو مناظرہ پر مجبور ہونا پڑتا ہے، یہ موقف بہت نازک ہے، کیونکہ اس میں مقابلہ اور ہار جیت کے جذبات برافروختہ ہو جاتے ہیں، مگر قربان جائیے ہادیِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے اور آپؐ کے اسوۂ کامل کے کہ یہاں بھی ہم کو آپؐ کے مؤثر اسلوب کا نقش تاریخ کے صفحات پر ثبت مل جاتا ہے۔

دیکھیئے ۹ھ ہے نجران سے ایک وفد خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آتا ہے، یہ لوگ مذہباً نصاریٰ ہیں، مسجدِ نبویؐ میں عصر کی جماعت ہو چکی ہے، نصاریٰ کا وقتِ نماز آیا تو انہوں نے عین مسجدِ نبویؐ میں اپنی نماز پڑھنی چاہی، صحابہؓ نے روکا۔ مگر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "پڑھنے دو"۔ وفدِ نجران نے مشرق کی سمت لے کر نماز ادا کی اور حضورؐ کی طرف متوجہ ہوئے، آپؐ نے اس اکرامِ حنیف کے بعد ان پر اسلام پیش کیا، انہوں نے کہا کہ ہم تو پہلے ہی سے مسلمان ہیں، حضورِ اکرمؐ نے فرمایا: "مگر تم لوگ تو حضرتِ عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا مانتے ہو، صلیب کو پوجتے ہو اور خنزیر کھاتے ہو"۔ اس پر اہلِ وفد بولے آپؐ حضرتِ مسیح کو اللہ کا بندہ بتاتے ہیں؟ کیا آپؐ نے مسیح جیسا کسی کو دیکھا یا سنا ہے؟ یہاں دعوت کی پیشکش نے مناظرہ کا رنگ اختیار کر لیا اور اب سوال و جواب شروع ہوا۔

آنحضرتؐ: تم کو خوب معلوم ہے کہ بیٹا باپ کے مشابہ ہوتا ہے۔

اہلِ وفد: بے شک ایسا ہی ہوتا ہے۔

آنحضرتؐ: کیا تم کو معلوم نہیں، ہمارا پروردگار حی لا یموتُ (زندہ و غیر فانی) ہے، اور إنَّ عیسٰی یأتی علیہ الفناء (اور عیسٰی پر موت اور فنا آنے والی ہے) تم کو معلوم ہے کہ ہمارا پروردگار ہر چیز کو قائم رکھنے والا، تمام عالم کا محافظ اور سب کا رزاق ہے، کیا حضرت عیسٰیؑ بھی ان میں سے کسی کے محافظ ہیں؟

اہلِ وفد: نہیں!

آنحضرتؐ: تم کو خوب معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسٰیؑ کو رحمِ مادر میں جس طرح چاہا بنا دیا، اور تم کو یہ بھی معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ کھاتا ہے، نہ پیتا ہے اور نہ اس کو بول و براز کی حاجت لاحق ہوتی ہے۔

اہلِ وفد: بے شک!

آنحضرتؐ: تم کو خوب معلوم ہے کہ حضرت مریم اور عورتوں کی طرح عیسٰی علیہ السلام کو حمل میں لئے رہیں اور مریم صدیقہ سے عیسٰیؑ اسی طرح متولد ہوئے جیسے اور بچے عورتوں سے ولادت پاتے ہیں اور پھر بچوں ہی کی طرح ان کو غذا بھی دی گئی، وہ کھاتے پیتے بھی تھے اور بول و براز بھی کرتے تھے۔

اہلِ وفد: بے شک ایسا ہی تھا۔

آنحضرتؐ: پھر وہ خدا کیسے ہوئے؟

اس پر اہلِ وفد لاجواب رہ گئے"[1]۔

اس مکالمے میں دیکھنے کی بات یہ ہے کہ ہمارے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کا مناظرانہ طرز بھی کس قدر غیر جارحانہ، بلکہ مشفقانہ اور ترحم سے بھرپور ہے، اسی لئے ہم نے آپؐ کے اسلوبِ دعوت کو "اسلوبِ رحمت" سے تعبیر کیا ہے۔

---

(۱) سیرۃ المصطفیٰ مؤلفہ مولانا ادریس کاندھلویؒ، ج ۳، ص ۱۲۰ تا ۱۲۳ بحوالہ تفسیر درمنثور۔

اس "اسلوبِ رحمت" کی قولی تاکید ہم کو اس وقت ملتی ہے، جب تاجدارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرات معاذ ابن جبلؓ اور ابو موسیٰ اشعریؓ کو تبلیغِ اسلام پر روانہ فرما رہے تھے، ان مبلغینِ اسلام سے آپؐ نے تاکیداً فرمایا:

بشّروا ولا تنفروا یسّروا — خوش خبری سناؤ، نفرت نہ دلاؤ، سہولت رکھو

ولا تعسروا۔ — تنگی میں نہ ڈالو۔

یعنی بشارتی نہج اور سہولتی طرز ملحوظ رکھو، وہ اسلوب نہ اختیار کرو جس سے مخاطب میں نفرت کے جذبات ابھریں، یا وہ اسلام میں تنگی محسوس کرنے لگے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا مذکورۂ صدر اسلوب آپؐ کے ان نامہ ہائے مبارک سے بھی مترشح ہے جو آپؐ نے مختلف سلاطین کے نام لکھوائے ہیں، ان کو پڑھیے تو ان میں وہی دل سوزی، وہی رافت، وہی رحمت، راست قلبِ انسانی سے تخاطب، اور مخاطب کی دل جوئی کے ساتھ دل شوئی ملتی ہے، نموتاً ہم صرف ایک والا نامہ جس کا مخاطب ایک قدیم ترین سلطنتِ حبشہ کا والی نجاشی ہے، پیش کرتے ہیں:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمدؐ کی طرف سے جو اللہ کا رسول ہے یہ خط نجاشی کے نام ہے، جو حبشہ کا رئیسِ اعظم ہے، سلام ہے اس شخص پر جو ہدایت کا پیرو ہو۔ اما بعد! میں حمد بیان کرتا ہوں تم سے اس اللہ کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں، جو بادشاہ ہے، قدوس ہے، سلام ہے، مومن اور مہیمن ہے، اور گواہی دیتا ہوں اس بات کی کہ عیسیٰ ابن مریم اللہ کی روح اور اس کا کلمہ ہیں، جس کو اس نے پاک نفس و پاکباز مریم البتول میں پھونکا تھا، پس اس کی روح اور اس کے نفخ سے عیسیٰؑ ان کے بطن میں قرار پائے، جیسے اس نے آدمؑ کو اپنے ہاتھ سے بنایا تھا۔ میں تم کو دعوت دیتا ہوں ایک اللہ پر ایمان لانے کی، جس کا کوئی شریک نہیں اور اس کی اطاعت، موالات کی، اور یہ کہ تم میری اتباع کرو اور جو کچھ میرے اوپر وحی آئی ہے اس پر ایمان لاؤ، پس بے شک میں اللہ کا رسول ہوں اور میں تم کو اور تمہارے لشکروں کو

اللہ عزوجل کی طرف بلاتا ہوں، میں نے اپنا پیغام کہہ دیا اور نصیحت پوری کر دی، پس یہ نصیحت قبول کرو۔ سلام ہو اس پر جو ہدایت قبول کرے۔"

سبحان اللہ! مکتوب کیا ہے ہدایت و اسلوبِ ہدایت اور حقیقتِ "عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم" کا آئینۂ بے غبار۔ ے

نبینا الآمر النّاھی فلا احدٌ
ابرّ فی قولِ لاَ منہ ولا نعم (بوصیریؒ)

(یعنی ہمارے نبیؐ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والے ہیں اور کوئی دوسرا نہیں جو ہاں یا نہیں کہنے میں آپؐ سے زیادہ سچا ہو)

پیغمبرانہ اسلوبِ دعوت کی ایک اور خصوصیت کا ذکر کر کے بات ختم کر دوں، وہ یہ کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ہر موقع سے دعوتِ دین کا فائدہ اٹھا لیا کرتے تھے، گویا آپؐ کے تمام انفاسِ مبارکہ ذکرِ الٰہی کے ساتھ ساتھ تذکیرِ دینی کے لئے وقف تھے، اس کی بہت سی مثالوں میں سے صرف ایک بطورِ نمونہ پیش ہے۔

الوفا، الوفاء اور البدایہ والنہایہ میں ہے کہ دو عجمی سفیر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان کی ڈاڑھیاں منڈھی ہوئی اور مونچھیں بڑی بڑی تھیں، آپؐ نے ان سے دریافت فرمایا کہ تم نے چہرے کی یہ ہیئت کیوں بنا لی ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے رب، بمعنی آقا، یعنی بادشاہ کا یہی حکم ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میرے رب نے تو مجھے یہ حکم دیا ہے کہ ڈاڑھی کو بڑھاؤں اور مونچھوں کو ترشواؤں۔"

بظاہر ایک بات ہے جو حضورؐ نے فرمائی، مگر ایک گہری حقیقت کی طرف توجہ کے انعطاف کا یہ ایک بلیغ اور دلنشیں اسلوب ہے۔ یہاں حضورؐ کے مخاطب سفراء ہیں اور سفیر اسی کو بنایا جاتا ہے، جو نہایت ذہین، سخن فہم اور نکتہ رس ہو اور اشارہ، کنایہ کی گہرائی تک پہونچ سکتا ہو۔ حضور اکرمؐ نے ان دو سفیروں کو ایک اشارۂ بلیغ سے یہ دعوتِ فکر دی کہ ایک آقا تمہارا ہے، جس کی آقائیت سراسر مجازی اور اتفاقِ بخت کا نتیجہ ہے اور ایک آقا اور مربی میرا ہے، جس کی مالکیت اور ربوبیت ذاتی و حقیقی ہے، جب کسی کو

آقا بنانا ہوش مندی کا تقاضہ ہے، تو خود ہی سوچو کہ کسی اپنے ہی طرح کے فانی انسان کو بنانا عقلمندی کی نشانی ہے، یا کسی ایسی ذات کو جس کی آقائیت ذاتی، حقیقی اور لاشریک ہو! ——— یہ ہے پیمبرانہ اسلوبِ دعوت، نفسیاتِ بشری کی کتنی رعایتیں لئے ہوئے اور اثر و تاثیر کے کتنے سامان کئے ہوئے ہے

خیالِ نقش تو در کارگاہِ دیدہ کشیدم
بصورتِ تو نگارے ندیدم و نشنیدم (حافظؒ)

فصلی اللہ علی النبی الامی الکریم وسلم تسلیماً کثیرا ———

بقیہ، حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا ادبی مقام :-

اس کے علاوہ بہت سے واقعات و آثار دفترِ حدیث میں بھرے پڑے ہیں جس سے کلامِ نبوی صلعم کا کمالِ ظاہری اور کمالِ باطنی دونوں ہی معلوم ہوتا ہے، خاص کر آپؐ کے خطبات، ناصحانہ ملفوظات اور وہ دعائیں جو آپؐ سے ماثور و منقول ہیں۔

مولانا محمد عابد ندوی
استاذ جامعہ اسلامیہ دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد

مولانا احمد علی لاہوریؒ

۱۳۰۴ھ — ۱۳۸۱ھ

مولانا احمد علی لاہوریؒ، والد کا نام شیخ حبیب اللہ اور وطن پنجاب، اپنے وقت کے مشہور عالم تھے، ۲ر رمضان المبارک ۱۳۰۴ھ کو جلال آباد ضلع گوجرانوالہ میں پیدا ہوئے، قرآن مجید اپنی والدہ سے پڑھا، ابتدائی تعلیم گاؤں کے ایک اسکول میں پائی اور دینی تعلیم مولانا عبدالحق صاحب اور مولانا عبیداللہ سندھی کے علاوہ بعض دوسرے علماء سے حاصل کی مولانا سندھی سے قرابت کی بناپر زیادہ استفادہ کا موقع ملا، انھی کی تربیت و نگرانی میں علم دین حاصل کرتے رہے اور ۱۳۲۶ھ میں مدرسہ دارالارشاد سے فراغت پائی، شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ سے بھی استفادہ و اجازتِ حدیث کا شرف حاصل تھا، غالباً ۱۸۹۵ھ میں غلام محمد صاحب دین پوری سے بیعت ہوئے، نیز سید تاج محمود صاحب امروٹی سے بھی اصلاحی تعلق قائم تھا، اکثر ان دونوں بزرگوں کی مجالس میں شریک ہوکر استفادہ کرتے سید تاج محمود صاحبؒ نے آپ کو خلافت بھی عطا کی۔

فراغت کے بعد مولانا سندھی نے آپ کو اسی مدرسہ میں استاذ مقرر کر دیا، چنانچہ تین سال تک وہاں فریضۂ درس انجام دیتے رہے، پھر مولانا سندھی نے اپنے قائم کردہ مدرسہ "نظارۃ المعارف القرآنیہ" دہلی بلالیا، جہاں وہ ایک عرصہ تک مولانا سندھی کے جانشین کی حیثیت سے درس و تدریس اور تحریر و تقریر کے ذریعہ دین و ملت کی خدمت اور جہاد و حریت کی تلقین کرتے رہے مختلف دیہاتوں کے تبلیغی سفر کر کے لوگوں میں دینی روح بیدار کی، اگست ۱۹۱۴ء میں تحریکِ جہاد" کے انکشاف کے بعد انگریزی حکومت نے مولانا احمد علی لاہوریؒ کو بھی گرفتار کرلیا،

نیزان کی تمام تحریریں ضبط کرلی گئیں اور وہ دہلی سے شملہ، لاہور، جالندھر وغیرہ مختلف مقامات پر ایک عرصہ تک قید و بند میں رہنے کے بعد ضمانت پر رہا کئے گئے، اور لاہور میں قیام پر مجبور کئے گئے چنانچہ ۱۹۱۷ء میں آپ نے لاہور میں سکونت اختیار کرلی۔

دہلی کے زمانۂ قیام میں مولانا سندھیؒ نے آپ سے عمر بھر اشاعتِ قرآن کا عہد لیا تھا جس کے ایفاء کا آپ نے پورا حق ادا کیا، لاہور آنے کے بعد سب سے پہلے ایک درخت کے نیچے پھر ایک مسجد میں قرآن کا درس دینے لگے، آپ کا یہ درس بہت مقبول ہوا، لوگ دور دراز سے آکر اس میں شریک ہوتے تھے، فجر کے بعد ایک گھنٹہ عمومی درس ہوتا تھا جس میں مردوں اور عورتوں کی کثیر تعداد شریک ہوتی، اور مغرب بعد تعلیم یافتہ طبقہ اور کالج و یونیورسٹیوں کے طلبہ کے لئے خصوصی درس ہوا کرتا نیز سال میں تین ماہ دینی مدارس کے علماء و فضلاء کے لئے دورۂ تفسیر کا نظم تھا جس میں دارالعلوم دیوبند، مظاہر العلوم سہارنپور وغیرہ سے فارغ التحصیل علماء کی بڑی تعداد شریک ہوکر مستفید ہوتی اور انہیں سند بھی دی جاتی، اس کے بعد جو مزید تحصیل علم کا شائق ہوتا اسے چار ماہ میں "فلسفۂ شریعت" اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی "حجۃ اللہ البالغہ" کا درس دیتے، "حجۃ اللہ البالغہ" کا درس آپ نے ۱۹۴۰ء سے شروع کیا جو اخیر عمر تک جاری رہا۔

۱۹۲۲ء میں لوگوں نے آپ کے سلسلۂ درس کو مستحکم کرنے کے لئے "خدام الدین" کے نام سے ایک انجمن کی داغ و بیل ڈالی، جس کی امارت آپ کے سپرد کی گئی، ۱۹۲۴ء میں آپ نے اس انجمن کے تحت "قاسم العلوم" کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا جس میں دورۂ تفسیر کے طلباء کی رہائش کا انتظام تھا، نیز ان کے کھانے پینے کا خرچ بھی انجمن برداشت کرتی تھی، اس کے علاوہ ۱۹۴۵ء میں مدرسۃ البنات اور ۱۹۶۴ء میں شعبہ نشر و اشاعت قائم کیا گیا، جس کے تحت مختلف دینی موضوعات پر پمفلٹ اور رسائل شائع ہوا کرتے تھے، جو اکثر مولانا لاہوریؒ کی کاوشِ فکر کا نتیجہ ہوتے تھے۔

مولانا احمد علی لاہوری نے تقریباً نصف صدی تک قرآنی علوم کی ترویج و اشاعت اور دینی دعوت و اصلاح کی بے پناہ خدمت انجام دی، ہر جمعہ کو خطبہ سے پہلے ایک گھنٹہ آپ کی تقریر ہوتی تھی، جسے بہت مقبولیت حاصل تھی، درس و تدریس اور تقریر و تحریر میں انہوں نے

مولانا سندھی کا طرز اختیار کیا، جن میں ان کا اصل موضوع توحید و سنت کی اشاعت اور غلط عقائد و رسوم کی اصلاح تھی، ان میں ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ حق گو اور بے باک تھے، اپنی تقاریر اور درس میں غلط عقائد، غیر شرعی رسوم اور غیر اسلامی معاشرت پر کھل کر تنقید کرتے، چاہے اسکی ضرب کسی فرد یا جماعت، یا ذمہ دارانِ حکومت پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو۔ فتنۂ انکار حدیث، اور فتنۂ قادیانیت کا بھی ڈٹ کر مقابلہ کیا، تحریکِ ختم نبوت میں سرگرم حصّہ لیا، بے باکانہ تقریریں کیں اور ۱۹۵۳ء میں قید و بند کی مشقتوں سے بھی دوچار ہوئے، انگریزی دورِ حکومت میں چھ سات مرتبہ قید کئے گئے، تحریکِ خلافت کے علاوہ تقسیم ہند سے پہلے جمعیۃ علمائے ہند کی مجلسِ عاملہ کے رکن بھی تھے، تقسیم کے بعد اکتوبر ۱۹۵۶ء میں آپ کو جمعیۃ علماء اسلام مغربی پاکستان کا امیر منتخب کیا گیا، جس کا ایک آرگن "ترجمانِ اسلام" لاہور آپ ہی کی سرپرستی میں نکلتا تھا، اس کے علاوہ اکتوبر ۱۹۳۳ء میں انجمن حمایتِ اسلام کی جنرل کونسل کے رکن، پھر نومبر ۱۹۵۰ء میں اس کے نائب صدر مقرر ہوئے اور اخیر تک اس عہدہ پر فائز رہے۔

تمام عمر درس و تدریس، وعظ و تقریر کے ذریعہ اشاعتِ اسلام کا سلسلہ جاری رکھا، مگر کبھی کسی قسم کا معاوضہ نہ لیا، ایمان و عمل اور زہد و تقویٰ کے پیکر تھے، علماء کا بے حد اعزاز و اکرام کرتے، ہر جمعرات کو مجلس ذکر ہوتی جس کے اخیر میں آپ کی ایک اثر انگیز اصلاحی تقریر ہوتی، اخیر عمر تک بیعت و ارشاد کا بھی سلسلہ رہا، بے شمار لوگوں نے آپ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو کر اصلاح کی، آپ کے خلفاء کی تعداد ۳۴ تک ہے۔

مختلف موضوعات پر آپ نے تقریباً ڈیڑھ سو کتابیں لکھیں، جن میں زیادہ اہم اور مقبول اردو اور سندھی زبان میں قرآن مجید کا عام فہم ترجمہ اور مختصر تفسیر، نیز آٹھ جلدوں میں خطباتِ جمعہ ہے۔ ۱۸ رمضان ۱۳۸۱ھ م ۲۳ فروری ۱۹۶۲ء کی شب میں انتقال فرمایا۔

یادِ رسولﷺ

صلی اللہ علیہ وسلم

مولانا محمد مصطفےٰ مفتاحی
استاذ حدیث دار العلوم سبیل السلام حیدرآباد

عابد و معبود کا ہے رابطہ یادِ رسولﷺ
درمیانِ کفر و ایماں فاصلہ یادِ رسولﷺ

دل ربا یادوں کا زرّیں سلسلہ یادِ رسولﷺ
ہے ازل سے تا ابد جلوہ فزا یادِ رسولﷺ

کارساز و کارفرما، کارگر، کارِ خرد
کارزارِ زیست میں مشکل کشا یادِ رسولﷺ

نقطۂ آغازِ گیتی، نغمۂ تارِ حیات
محورِ ارض و سما، آبِ بقا یادِ رسولﷺ

وسعتِ کونین میں ہے باعثِ تسکینِ جاں
چشمۂ زہد و ورع مہر و وفا یادِ رسولﷺ

حسنِ علم و آگہی، حسنِ نظر، حسنِ سلوک
زورِ بازو، زورِ عزم و حوصلہ یادِ رسولﷺ

زینتِ شام و سحر، رنگِ چمن، تابِ نجوم
کارفرمائے جہانِ ماجرا یادِ رسولﷺ

بادۂ وحدت کا کیفِ جاوداں لطف و سرور
درحقیقت قبلہ کا قبلہ نما یادِ رسولﷺ

فکر کی بالیدگی، ذوقِ سخن، طورِ خیال
رونقِ بزم و بہارِ میکدہ یادِ رسولﷺ

بے بدل دستورِ تعمیرِ نظامِ زندگی
شہپرِ جبریل و جانِ ارتقا یادِ رسولﷺ

اتحادِ ملتِ بیضا، رموزِ خسروی
ضامنِ امن و اماں بانگِ درا یادِ رسولﷺ

ناخنِ تدبیر و درمانِ غم و رنج و محن
نسخۂ اکسیرِ درد و لا دوا یادِ رسولﷺ

آبروئے علم و عرفان و ہنر، نقد و نظر
ہے نقوشِ مصحفِ قدر و قضا یادِ رسولﷺ

مصطفےٰ! حاصل دوامِ عیش و گنجِ دو جہاں
گر نفس کی آمد و شد ہو سدا یادِ رسولﷺ

بیداریٔ مسلم

از: اظہار افسری
ایڈیٹر نورونار، مسجد عربایین رجمنٹ روڈ، بنگلور

اے مسلماں اپنی حالت پر ذرا کچھ غور کر — پہلے تو کیا تھا اور اب کیا ہوگیا اے بے خبر
کیا ہوئی تیری شجاعت کیا ہوئے علم و ہنر — تو ہی تھا ملت کا حامی قوم کا تھا راہ بر

کانپ اٹھے قیصر و کسریٰ ترے پیغام سے
اور دلِ کفار لرزاں تھے تیرے نام سے

امتوں کی شان تھا تو صاحبِ ایمان تھا — دین و دنیا تیرے دم سے تھی تو اس کی جان تھا
پار کرنا سرحدِ عالم تجھے آسان تھا — الغرض کیا کیا کہوں ہر قوم کا سلطان تھا

آہ! اے نادان مسلم کیا سے کیا تو ہوگیا
کچھ تجھے احساس بھی ہے تیرا سب کچھ کھوگیا

تو وہ غازی تھا کہ فطرت کو بھی تجھ پر ناز تھا — وہ مجاہد تھا کہ مرنے پر بھی سرافراز تھا
ساری دنیا سرنگوں تھی تیرا وہ انداز تھا — دہر میں تو ایک جیتا جاگتا اعجاز تھا

بھول بیٹھا جب سے تو اللہ کے پیغام کو
کردیا مجبوب تو نے ملّتِ اسلام کو

ٹھوکریں کھاتا ہوا اب پھر رہا ہے دربدر — کوئی عزت ہے نہ وقعت ہے نہ کچھ علم و ہنر
خوابِ غفلت سے ذرا اٹھ دیکھ آنکھیں کھول کر — سر پہ تیرے آگیا ہے آفتاب اے بے خبر

اب بھی کچھ بگڑا نہیں سردار بن سکتا ہے تو
ہر طرح کونین کا مختار بن سکتا ہے تو

عہدِ ماضی کو نہ رو اسلام کے جوہر دکھا — از سرِ نو عظمتِ دیرینہ کا منظر دکھا
سطوتِ فاروقِ اعظم، شوکتِ بوذر دکھا — کھینچ کر اسلاف کا نقشہ تو اے افسر دکھا

وقت باقی ہے ابھی اٹھ اور خدا کا نام لے
زندہ رہنا ہے تو کچھ اس زندگی سے کام لے

ترتیب: مولانا مفتی عبدالودود مظاہری

سوال وجواب

مسجد کے مغربی سمت میں تعمیر مکان

مسجد جہاں نما آرا، ہمایون نگر حیدر آباد میں مسجد کی مغربی دیوار سے متصل امام صاحب کا مکان واقع ہے، جو دو کمروں پر مشتمل ہے، جس میں باورچی خانہ، حمام، بیت الخلاء بھی واقع ہے، گویا ایک مختصر سا مکان مسجد کی مغربی دیوار کے عقب میں واقع ہے، جس میں امام صاحب سکونت پذیر ہیں ـــــ امام صاحب کے مکان کے اوپر دوسری منزل پر ایک کمرہ کا منسلکہ نقشہ تیار کیا گیا ہے، جسمیں حمام اور بیت الخلاء بھی واقع ہے۔ علماء دین یہ فرمائیں کہ یہ تعمیر شریعت کے اعتبار سے جائز ہے یا نہیں؟ ـــــ فضل الرحمان خاں

الجواب: وباللہ التوفیق

اگر امام صاحب اور مؤذن صاحب کا گھر مسجد سے متصل مغربی دیوار کے عقب میں حدود مسجد سے باہر بنایا جائے تو بلا کراہت جائز ہے، میں نے اس مکان کو دیکھا ہے، جس کے نقشہ کو استفتاء کے ساتھ منسلک کر کے بھیجا گیا ہے، لہٰذا اس مکان میں رہنا اور اس کا استعمال ہر طرح سے جائز ہے۔ ہاں البتہ مسجد کے حدود میں یا مسجد کے اوپر مسجد بن جانے کے بعد اور نمازیں شروع ہو جانے کے بعد جب کہ مسجد مالکِ مسجد نے لوگوں کے حوالہ کر دی ہو تو جائز نہیں ہے کہ اس پر تعمیر کیا جائے، اگر ابتداء ہی میں واقف نے مسجد کے ساتھ ساتھ اس پر امام کے لئے مکان تعمیر کرا دیا ہو تو جائز ہے: کمافی البحر الرائق ج۵ ص۲۵۱ وبما ذکرناہ انہ لو بنی بیتا علی سطح المسجد لسکنی الامام فانہ لا یضر فی کونہ مسجدا لانہ من المصالح فان قلت لو جعل مسجدا ثم اراد ان یبنی فوقہ بیتا للامام اوغیرہ

هل لہ ذالك قلت قال فی التتارخانیہ اذ بنی مسجدا او بنی غرفۃ ھو فی یدہ فلہ ذلك ——— (مفتی) عبدالودود (صاحب)

اذان کے بعد تنہا فرض نماز کی ادائیگی

۱۔ اذان کے بعد جماعت ہونے سے قبل تنہا فرض نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں، جب کہ تنہا فرض نماز پڑھنے والے کو سفر کا ارادہ ہو۔

۲۔ گورنمنٹ ملازمت حاصل کرنے کے لئے افسر کو بغیر رقم دیئے ہوئے ملازمت ملنی مشکل ہو تو آفیسر کو کچھ رقم دینا یہ رشوت کہلائے گا یا نہیں؟ نیز بچی کی شادی بغیر دس ہزار دیئے ہوئے نہ ہو رہی ہو تو ایسی صورت میں لڑکے والے کو روپے دینا اور شادی کرانا کیسا ہے؟

۳۔ بینک میں نوکری کرنا کیسا ہے، نوکری بنک میں مل جانے کے بعد دوسری ملازمت کی کوشش کرنا ضروری ہے یا نہیں، بغیر کوشش کئے بنک کی نوکری پر جمے رہنا کہ تنخواہ زیادہ مل رہی ہے از روئے شرع کیسا ہے؟

۴۔ گورنمنٹ ملازمت کرنے والا وقت کی قلت کی وجہ سے ظہر کے فرض سے قبل کی سنت کبھی کبھی فرض کے بعد پڑھتا ہے، کبھی وقت بعد میں نہیں ملتا ہے تو فرض کے بعد کی سنت فرض سے پہلے پڑھنا صحیح نہیں ہے تو کیا چھوڑ دے؟ ——— مجلس العلماء گنٹور

الجواب وباللہ التوفیق

۱۔ سفر کرنا ضرورت میں داخل ہے، لہٰذا اذان کے بعد جماعت ہونے سے قبل سفر کی ضرورت کی بناء پر فرض نماز تنہا پڑھ سکتا ہے، شامی میں ہے: "وکرہ تحریما النھی وخروج من لم یصل من مسجد اذان فیہ الا لحاجۃ"۔ (ردالمحتار ص۴۷ ج۱)

• ——— ملازمت کے لئے رشوت

۲۔ (الف) ملازمت حاصل کرنے کے لئے جو رقم آفیسر کو دی جائے گی وہ رشوت کہلائے گی، البتہ اس کے حکم کی مختلف صورتیں ہوں گی، لینے والے کے لئے بہر صورت حرام ہے، لیکن دینے والے کے لئے مختلف شکلیں ہوں گی، بعض شکل میں حرام ہے اور بعض میں جائز

اگر حق کو باطل اور باطل کو حق قرار دینے کے لئے رقم دے تو حرام ہے، اگر ایسا نہیں ہے تو جائز ہے۔ لہٰذا اگر وہ اس ملازمت کا مستحق نہیں ہے، لیکن روپے دے کر دوسروں کا حق ختم کرکے ملازمت حاصل کرتا ہے تو یہ حرام ہے اور اگر مستحق ہے اور آفیسر بغیر رقم لئے ملازمت دینے کے لئے تیار نہیں ہے تو رقم دینا جائز ہے۔ (تفصیل بحر الرائق ص۲۶۲ ج۶)

(ب) اگر کوئی دوسرے مناسب لڑکے نہ مل رہے ہوں تو ایسی صورت میں رقم دینا ایک ضرورت ہے، اگر نہ دئے جائیں تو ضرر کا اندیشہ ہے، اسلئے رقم دے کر لڑکی کی شادی کر دینا درست ہے۔

• بینک میں ملازمت

۳۔ بینک میں نوکری کرنا ناجائز ہے، لیکن اگر کوئی مجبوری ہو اور کوئی دوسری ملازمت نہیں مل رہی ہو تو ایسی صورت میں معاش کا مسئلہ حل کرنے کے لئے بینک کی ملازمت درست ہے لیکن دوسری ملازمت کی کوشش ضروری ہے، اگر کوئی دوسری ملازمت کی کوشش نہ کرے، اور اسی پر جما رہے تو یہ درست نہیں ہے۔ (تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو جدید فقہی مسائل ص۲۵ ج۱)

• ظہر کے پہلے کی سنت فرض کے بعد

۴۔ وقت نہ ملنے کی وجہ سے ظہر کی سنت فرض کے بعد پڑھ لے تو درست ہے۔ شامی میں مذکور ہے: وقد استدل قاضی خان لقضاء الظهر كما عن عائشةؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم كان إذا فاتته الاربع قبل الظهر قضاها من بعده فليكون قضاءها ثابت بالحديث خلاف القياس ——— (رد المحتار ص۴۸۲ ج۱)

جہاں تک ظہر کے فرض کی بعد کی سنت کا مسئلہ ہے تو اس سلسلہ میں شرعی حکم یہ ہوگا کہ وہ بعد فرض ہی مشروع ہے، اس لئے قبل الفرض ادا نہیں کی جائے گی، البتہ اگر وقت نہ ملے تو چھوڑ دے، لیکن پڑھنے کی کوشش کی جاتی رہے۔ (مولوی) ظفر عالم ندوی (متعلم تخصص فی الفقہ والافتاء)

• فقہ شافعی میں حالت اکراہ کی طلاق

میری ایک زوجہ نے جو ابوظبی میں رہتی ہے اور جس کے پہلے شوہر "متوفی" وہیں کے وطنی تھے، مجھے اس بات پر مجبور کیا کہ میں اپنی پہلی بیوی کو جو ہندوستان میں مقیم ہے طلاق دیدوں،

اور میری زوجہ نے مجھے مار ڈالنے کی دھمکی دی ہے، چونکہ میری زوجہ کے شوہر سابق کے بعض رشتہ دار پولیس اور حکومت کے اعلیٰ عہدوں پر ہیں جس کی وجہ سے میرے لئے جان کا شدید خطرہ تھا، میں بار بار زوجہ ثانی کے مطالبے کو ٹالتا رہا، مگر اس کی طرف سے شدت پیدا ہوتی چلی گئی، یہاں تک کہ اس نے اپنے دو آدمیوں کو میرے ساتھ کر کے وہاں کے قاضی کے یہاں بھیجا کہ میں اپنی زوجۂ اولیٰ کو تین طلاق دیدوں اور جبر اور دباؤ کے تحت میں نے وہاں طلاق نامہ پر دستخط کر دیا، البتہ زبانی طلاق نہیں دی، طلاق نامہ کی فوٹو کاپی بھی آپ کی خدمت میں پیش ہے۔ واضح ہو کہ میں مسلکاً شافعی ہوں، اسلئے مسلکِ شافعی واضح کر دیا جائے اور حکم شرعی سے مطلع کیا جائے۔

الجواب وباللہ التوفیق

اکراہ کی حالت میں دی جانے والی طلاق امام شافعیؒ کے نزدیک واقع نہیں ہوتی بشرطیکہ چھ باتیں پائی جائیں:

۱۔ ایسا شخص جبر کر رہا ہو جو اس کو اذیت پہونچانے پر قادر ہو اور بعجلت اذیت پہونچانے کا خطرہ ہو، مثلاً یوں کہے کہ اگر تم نے طلاق نہیں دی تو کل تم کو مار ڈالوں گا تو یہ اکراہ نہیں ہوگا اس لئے اذیت پہونچنے کا خطرہ نہیں ہے۔ (۲) جس شخص کو مجبور کیا جا رہا ہو وہ اپنے دفاع سے عاجز ہو (۳) اس کو غالب گمان ہو اگر طلاق نہ دے گا تو مجبور کرنے والا شخص اس کو اذیت پہونچا کر رہے گا (۴) شوہر کو طلاق پر مجبور کرنا کسی حقِ شرعی کی وجہ سے نہ ہو (۵) مجبور شخص جب طلاق کا تکلم کر رہا ہو تو اس کی نیت اور ارادہ طلاق دینے کا نہ ہو (۶) مجبور کرنے والے نے جس طرح طلاق کا مطالبہ کیا ہو، مجبور شخص نے ویسے ہی طلاق دی ہو، مثلاً اس نے تین طلاق کا مطالبہ کیا ہو تو تین ہی طلاق دی ہو۔ البتہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مجبور کرنے کے لئے جان کا، یا کسی عضو کے ضائع ہونے کا خوف ضروری نہیں، لوگوں کی حیثیت کے لحاظ سے اس کی الگ الگ صورتیں بھی ہو سکتی ہیں۔ مثلاً معزز اور سوسائٹی کے وجیہ لوگوں کے لئے بر سرِ عام استہزاء اور گالی گلوج کا خطرہ بھی اکراہ پیدا ہونے کے لئے کافی ہے (تفصیل کے لئے دیکھی جائے کتاب "الفقہ علی المذاہب الاربعہ ص۲۸۵ ج۴ کتاب الطلاق"

اگر تفسیر بالا کے مطابق آپ کو طلاق دینے یا طلاق کا اقرار کرنے پر مجبور کیا گیا تو حضرت

امام شافعیؒ کے نزدیک طلاق واقع نہیں ہوئی اور متداخلہ طلاق نامہ کے الفاظ یوں ہیں: واقر کذلک انہ زوجتہ المذکورۃ منذ ستۃ اشھر بالتلیفون بقولہ انت طالق، طالق، طالق واقر انہ کان ینوی ویقصد تطلیقۃ زوجتہ المذکورۃ طلاقا لا رجعۃ بعدہ۔ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مستفتی نے قاضی کے سامنے طلاق نہیں دی ہے، بلکہ صرف طلاق کا اقرار کیا ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بھی اکراہ ہے، جس میں جان جانے کا خطرہ ہو، یا کسی عضو کے تلف ہونے کا خطرہ ہو، طلاق کا اقرار یا صرف طلاق نامہ پر دستخط کرنے کی وجہ سے طلاق واقع نہیں ہوتی (حوالہ مذکورہ) لہٰذا اکراہ اور جبر کی طلاق کے سلسلہ میں اوپر جو تفصیل لکھی گئی ہے مستفتی کو چاہئے کہ وہ اللہ سے ڈرتے ہوئے ان پر غور کرے، اگر واقعی ان تفصیلات کے مطابق وہ مجبور تھا تو اس کی زوجۂ اولی پر طلاق واقع نہیں ہوئی۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (مولانا خالد سیف اللہ صاحب)

ایک مجلس کی تین طلاق

اپنے گھر کے کاروبار سے فراغت پاکر واپس ہوا تو گھر میں بیوی کو موجود نہ پایا، وہ محلہ میں شوہر کے عزیز کے گھر گئی تھی، بلوانے پر اس سے تکرار ہوئی اور غصہ میں مار پیٹ بھی کیا اور اسی غصہ کی حالت میں بغیر نیت کے دوسری سمت منہ کر کے تین مرتبہ (طلاق، طلاق، طلاق) کہہ دیا اور فوری پریشان بھی ہوا اور پچھتا رہا ہے کہ ایسے الفاظ زبان سے نکل گئے، لہٰذا ایسی صورت میں کیا زید اپنی زوجہ سے تعلقاتِ ازدواجی قائم رکھ سکتا ہے، یا تجدید نکاح ضروری ہے؟ احقر سید طاہر

الجواب، وباللہ التوفیق

صورت مسئولہ میں چونکہ ایک مجلس میں تین طلاق دی گئی تھی، اس لئے تینوں طلاق واقع ہو گئی۔ اسلام میں طلاق کے مسئلہ کے اندر جہالت کا اعتبار نہیں کہ عدم علم میں یہ طلاقیں دی گئیں، اسلئے واقع نہ ہو گی۔ نیز صریح طلاق کے لئے نیت ضروری نہیں ہے، بغیر نیت کے بھی طلاق ہو جاتی ہے۔ اب حکم یہ ہے کہ عورت مرد پر اس وقت حلال ہو گی جب کہ حلالہ ہو جائے یعنی کسی دوسرے مرد سے نکاح کے بعد اگر وہ چھوڑ دے تو عدت گذارنے کے بعد حلال ہو گی، ورنہ نہیں۔ واللہ اعلم۔ (مفتی) عبد الودود (صاحب)

مرتبہ: مولانا محبوب احمد مظاہری

خبرنامہ

جامعہ اسلامیہ دار العلوم سبیل السلام

• جامعہ ہذا کے نصاب تعلیم پر غور و فکر اور مناسب ترمیم و اضافہ کی غرض سے مورخہ ۲،۳ شعبان ۱۴۱۰ھ کو حضرت ناظم صاحب و شیخ الحدیث مولانا زبیر احمد صاحب قاسمی کے زیر صدارت کئی نشستیں ہوئیں اور بعض مفید کتابوں کے اضافے کئے گئے، جیساکہ جناب صدر مدرس صاحب کی مستقل رپورٹ اس موضوع پر شریک اشاعت ہے۔

• مورخہ ۲۸ رجب شعبان ۱۴۱۰ھ کو جامعہ کی سابقہ روایت کے مطابق اختتام بخاری شریف کی باوقار تقریب منعقد ہوئی، اس بار اس تقریب کے مہمان خصوصی حدیث کے مشہور استاذ اور ممتاز عالم دین حضرت مولانا اکرام علی صاحب شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ ڈابھیل (گجرات) تھے۔ آپ نے اس موقعہ سے بخاری شریف کی آخری حدیث پر نہایت عالمانہ اور محققانہ خطاب فرمایا، اس موقع سے مولانا سید اکبر الدین قاسمی نائب ناظم مجلس علمیہ نے بھی اپنے تاثرات کا اظہار فرمایا اور جامعہ ہذا کے علمی معیار کی توصیف کی، حضرت ناظم صاحب نے خیر مقدمی کلمات کہے اور مدرسہ میں دو نئے شعبوں "تخصص فی الدعوۃ" اور "تدریب الائمہ" کے قیام کا اعلان کیا۔ جناب مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صدر مدرس نے مدرسہ کی تعلیمی، تربیتی، ظاہری اور معنوی ترقی پر روشنی ڈالی اور ان دونوں نئے شعبوں کی وضاحت کرتے ہوئے بتایا کہ "تخصص فی الدعوۃ" کا مقصد دعوت کے اسلامی طریقہ و اسلوب اور نفسیات کی تعلیم و تربیت کے علاوہ یہ بھی ہے کہ عصر نو کے باطل نظریات سے آگہی حاصل ہو، نیز فرق باطلہ کے رد کی صلاحیت پیدا کی جائے اور ان کا بلا واسطہ مطالعہ کرایا جائے۔ "تدریب الائمہ" کے تحت تربیت الائمہ کے کیمپ قائم کئے جائیں گے، اصلاح عوام کے لئے کیا طریق کار اختیار کیا جائے اس پر روشنی ڈالی جائے گی، حضرت ناظم صاحب اس موقعہ سے ائمہ کے لئے نئی ضرورتوں سے ہم آہنگ

ایک جدید "علمی اور اصلاحی" "خطبات جمعہ" کی ترتیب کا بھی اعلان کیا، جس کا کام بحمد اللہ جاری ہے، اس تقریب میں جامعہ کے دو طلبہ نے اردو اور عربی زبان میں نہایت مؤثر خطاب کیا۔ الحاج سید ضیاء الرحمٰن صاحب، صدر مجلس انتظامی نے معزز مہمان اور سامعین کا شکریہ ادا کیا اور آپ ہی کے شکریہ پر یہ تقریب اختتام کو پہونچی۔

• تبلیغی تحریک کے ممتاز رہنما اور حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے ساتھ تبلیغی کام کا تجربہ رکھنے والے مشہور بزرگ مولانا سعید احمد خاں صاحب سابق امیر حجاز مقدس مورخہ یکم شعبان ۱۴۱۰ھ کو جامعہ ہٰذا تشریف لائے اور جامعہ کے اساتذہ و طلبہ کے علاوہ ریاست کے علماء و معززین شہر سے خطاب فرمایا، اس موقعہ سے دیگر علماء کے علاوہ جامعہ ہٰذا سے بھی بہت سے فارغ ہونے والے طلبہ نے تبلیغی جماعت کے ساتھ وقت فارغ کرنے کا وعدہ کیا اور جماعتوں میں گئے۔

• مورخہ ۵ر شعبان تا ۱۰ر شعبان جامعہ میں امتحان سالانہ ۱۴۱۰ھ منعقد ہوا، اس وقت صرف شعبۂ عربی و پرائمری کے طلبہ کا امتحان تھا، جماعتِ حفظ کی تعلیم ۲۰ر رمضان المبارک تک جاری رکھی گئی اور ان کا امتحان سالانہ ۱۹، ۲۰ر رمضان المبارک کو ہوا، ۴۰۲ میں سے ۳۸۸ طلبہ شریکِ امتحان ہوئے ۵۴ طلبہ نے اعلیٰ، ۱۴۰ نے اوسط اور ۱۶۵ نے ادنیٰ درجہ سے کامیابی حاصل کی، ۲۹ طلبہ ناکام رہے، بحیثیت مجموعی امتیازی نمبرات حاصل کرنے والے طلبہ کے اسماء اور ان کے نمبرات کے اوسط اس طرح ہیں۔

• شعبۂ عربی: امتیاز بحصہ اوّل، خالد حسین صدیقی (دورۂ حدیث) ۹۱

" " " دوم: اعجاز احمد (سوم عربی) ۸۴

" " " سوم: محمد اسعد (" " ") ۸۲

• شعبۂ حفظ: امتیاز بحصہ اوّل، عبد العزیز لیجی (حفظ ہ) ۹۵

" " " دوم، اسعد اللہ (حفظ الف) ۹۱ ❊ سوم: عبد اللہ (حفظ الف) ۸۳

• شعبۂ اردو: امتیاز بحصہ اوّل: محمد یاسین (دوم اردو) ۹۲

" " " دوم: سیف اللہ (اوّل اردو) ۸۹ ❊ خلیل احمد (اوّل اردو) ۸۹

" " " سوم: سید عتیق زید (ناظرہ) ۸۷

اس سال شعبۂ "روضۃ الاطفال" کے امتحان کے لئے مولانا مصلح الدین قاسمی صدر مدرس دینی تعلیمی مرکز واستاذ مدرسۃ الحفاظ مکہ مسجد مدعو کئے گئے تھے، آپ نے جامعہ کی تعلیم کے بارے میں نہایت امید افزاء، نیک اور گہرے تاثرات کا اظہار کیا ہے۔

• مورخہ ۱۲ر۱۳ر۱۴ر شعبان کو آندھرا پردیش کے مشہور شہر گنٹور میں اعلیٰ پیمانے پر ایک تبلیغی اجتماع طے پایا تھا جس میں حضرت مولانا انعام الحسن صاحب نے بنفسِ نفیس شرکت فرمائی، اس میں شرکت کی غرض سے ایک بس جامعہ ہٰذا سے بھی گئی جس میں جامعہ کے اساتذہ وطلبہ کا ایک مؤقر وفد گیا اور شریکِ اجتماع ہوا۔

• امسال بھی حضرت ناظم صاحب اور حضرت الحاج سید ضیاء الرحمٰن صاحب صدر مجلس انتظامی نے بعض احباب کی خواہش پر حرمین شریفین کا سفر کیا، وہاں کے اصحابِ علم، اصحابِ دین ودانش اور اصحابِ خیر سے ملاقاتیں کیں اور جامعہ کا تعارف کرایا۔ ناظم صاحب نے حرمین شریفین کے علاوہ ریاض (سعودیہ) کویت، ابوظہبی، دبئی اور شارجہ وغیرہ خلیجی ممالک کے بھی اسفار کئے۔ حضرت ناظم صاحب نے اس سفر میں کتب خانہ جامعہ اسلامیہ دارالعلوم سبیل السلام کے لئے کتابوں کی فراہمی پر خاص توجہ دی اور بحمد اللہ تفسیر وحدیث، فقہ، اصولِ فقہ، سیر وتاریخ، لغت واصطلاحات اور دوسرے دعوتی واصلاحی موضوعات پر اہم اور قیمتی کتابوں کا ایک نہایت اہم اور قیمتی ذخیرہ ساتھ لائے، بہت سی اہم دینی اور دعوتی شخصیات سے اس سفر میں آپ کی ملاقاتیں رہیں، مختلف جگہ آپ کے خطاب اور مواعظ بھی ہوئے، جدہ میں جناب سید حامد حسین صاحب انجینیر کے قائم کردہ مدرسہ میں بعد نماز مغرب "قرآن اور مسلمان" کویت میں مسجد فرحان میں بعد نماز جمعہ "موجودہ دور میں اسلامی دعوت کے امکانات" اور دبئی میں بزم دکن امارات کے زیر اہتمام بعد نماز عصر "امتِ مسلمہ ناقابلِ تقسیم وحدت" کے موضوع پر خطاب فرمایا۔ دبئی کے اس مؤقر اجتماع کو مولانا موصوف کے علاوہ مولانا طاہر رضوی اور مولانا خواجہ شریف (جامعہ نظامیہ) نے بھی مخاطب کیا مولانا خورشید انور ندوی بھی سعودی عرب کے سفر میں آپ حضرات کے ساتھ رہے۔

• مولانا محمد یوسف زاہد، نائب ناظم شاخ مدرسہ سبیل السلام ورنگل کی دعوت پر ۲۶ر۲۷ر شعبان ۱۴۱۰ھ کو جناب صدر مدرس صاحب نے ورنگل کا سفر کیا، اس موقعہ سے بعد نماز عشاء مسجد ایوان شاہی میں آپ کا خطاب ہوا۔ مورخہ ۲۰ر کو بعد نماز فجر ہنمکنڈہ کے خواص اہل علم ودانش کی منتخب نشست

رکھی گئی جو اسلامی طریقہ پر ایک عصری اسکول کی تاسیس اور قیام کے سلسلے میں تھی، چنانچہ مولانا موصوف نے اس موقع سے ایک مؤثر خطاب کیا اور اسلام میں عصری تعلیم کی اہمیت وضرورت اور اس کے لئے مناسب اور موزوں طریقِ کار پر روشنی ڈالی، امید ہے کہ مستقبل قریب میں جامعہ ہٰذا کے زیرِ نگرانی اس اسکول کا قیام عمل میں آئے گا۔ اس سفر میں مولانا مفتی عبدالودود صاحب مظاہری، استاذِ حدیث جامعہ ہٰذا اور مولانا محمد یوسف مفتاحی استاذ شعبہ حفظ بھی شریک رہے۔ اتفاق سے اسی دن بعد نماز فجر شہر کے حلقہ کا تبلیغی مشورہ بھی تھا۔ مولانا مفتی عبدالودود صاحب نے بھی اس اجتماع میں بیان کیا۔

• مورخہ ۱۹؍۲۰؍ شعبان کو مدرسہ کاشف العلوم بنگلور کی دعوت پر مدرسہ کے سالانہ جلسہ میں شرکت کی غرض سے جناب مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے بنگلور کا دو دنوں کا نہایت مصروف سفر کیا، مولانا شمس الدین رشادی مہتمم مدرسہ ہٰذا اس جلسہ کے داعی تھے، جناب مولانا منیر ربانی استاذ دارالعلوم سبیل الرشاد بنگلور نے صدارت کی، مولانا رحمانی نے بحیثیت مہمان خصوصی قرآن مجید کی اہمیت، اس کی خصوصیات اور اس کے حقوق کے موضوع پر خطاب کیا، اس جلسہ میں شہر و مضافات شہر کے علماء، ذمہ دارانِ مدارس اور معززین کی بڑی تعداد شریک تھی، موجودہ وزیر کرناٹک ایس ایم یحیٰی اور بعض دوسرے مسلم ایم، ایل اے نے بھی اس اجلاس کو خطاب کیا۔ اس موقعہ سے جناب سعادت اللہ خان ایڈیٹر "مسلم وائز" نے بھی مولانا موصوف کو ظہرانہ پر دعوت دی اور دعوتی موضوع پر تبادلہ خیال کیا، اس سفر میں مولانا عبدالقدوس صاحب استاذ جامعہ ہٰذا بھی آپ کے شریک تھے۔

• ۱۷؍ رمضان المبارک ۱۴۱۰ھ کو "درس گاہ جہاد و شہادت" کی طرف سے بڑے اہتمام سے "یوم بدر" منایا جاتا ہے، درس گاہ کے ذمہ داروں کا سالہا سال سے اصرار تھا، اس بار مولانا خالد سیف اللہ صاحب نے ان کی دعوت قبول کرلی اور مسجد بخاری شاہ" سعید آباد میں عصر تا مغرب غزوۂ بدر کے موضوع پر خطاب کیا، اس موقع سے آپ نے یہ بھی کہا کہ تصور دین میں اعتدال و توازن ضروری ہے، جذبۂ جہاد بھی ہو، اتباعِ سنت بھی، اذکار و اوراد کی عظمت بھی دل میں رہے اور دین کے دوسرے کام کرنے والوں کو بھی کم نگاہی سے نہ دیکھا جائے

• ۵؍ رمضان المبارک ۱۴۱۰ھ کو مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے "مسجد حسین گری نگر، حیدرآباد میں توسیع مسجد کی افتتاحی تقریب میں مہمان خصوصی کی حیثیت سے شرکت کی اور مسجد کا سنگِ بنیاد رکھا

اس موقع سے مسلمانوں کے علاوہ محلہ کے معزز اور ذمہ دار غیر مسلم بھائیوں نے بھی شرکت کی جس میں کونسلر، صدر کانگریس آئی، بعض ارکان تلگو دیشم وغیرہ بھی تھے۔ موقع کی مناسبت سے مولانا موصوف نے اسلام کے تصورِ مساوات اور عقیدۂ توحید پر خطاب فرمایا، چنانچہ غیر مسلم مہمانوں نے آپ کے اس خطاب پر بڑے تاثر کا اظہار فرمایا۔ مولانا مفتی عبدالودود صاحب بھی اس تقریب میں مدعو تھے، مگر بعض اعذار کی وجہ سے شریک نہ ہو سکے۔

• جامعہ ہٰذا کے فراہمیِ مالیات کے کام سے حضرت مولانا فضل الرحمٰن قاسمی استاذ حدیث نے ناگپور، پونے [illegible] گئے۔ جناب مولانا عتیق الرحمان صاحب قاسمی نے جمشید پور، کلکتہ۔ حافظ عبدالرشید صاحب مبلغ مدرسہ نے بنگلور، میسور اور مدراس اور مولانا محمد عباس صاحب قاسمی استاذ مدرسہ نے گنٹور، وجے واڑہ، کے اسفار کئے۔ ان کے علاوہ مختلف اساتذہ و سفراء نے شہر حیدرآباد میں بھی فراہمیِ مالیات کا کام کیا، اصحابِ خیر نے اس موقع سے جامعہ کا جو مخلصانہ تعاون کیا ہے حضرت مولانا محمد رضوان القاسمی (ناظم جامعہ) اور الحاج سید ضیاء الرحمان صاحب (صدر مجلسِ انتظامی) نے ان کا شکریہ ادا کیا ہے۔

• مورخہ ۶ر شوال کو جامعہ عائشہ (نسواں) حیدرآباد، جو آندھرا پردیش میں لڑکیوں کی واحد "دینی اقامتی درس گاہ" ہے کی مستقل تعمیر کا سنگِ بنیاد جناب مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے جو جامعہ ہٰذا کے سرپرست بھی ہیں ــــ رکھی، اس موقع سے جامعہ ہٰذا کے ناظم مولانا خواجہ نذیرالدین، خازن جناب نذیرالدین، ارکان جناب حکیم مقبول ہاشمی اور جناب فصیح الدین صاحب بھی شریک تھے۔

• حسب معمول ۱۰رشوال ۱۴۱۰ھ کو جامعہ ہٰذا کھل چکا ہے اور تادمِ تحریر داخلے جاری ہیں، اس سال شعبۂ حفظ اور شعبۂ روضۃ الاطفال (پرائمری) کے لئے لباس میں یکسانیت کی غرض سے یونیفارم مقرر کیا گیا ہے، روضۃ الاطفال کا یونیفارم بلو رنگ کا شلوار اور کرتہ اور حفظ کے طلبہ کا سرمئی رنگ کا شلوار اور کرتہ ہے۔ امسال "تخصص فی الدعوۃ" کے شعبہ کا اضافہ بھی ہوا ہے، "تخصص فی الفقہ" کے سالِ اوّل میں بھی جدید طلبہ کا داخلہ ہوگا، امید ہے کہ ان نئے شعبوں کی ضروریات کی تکمیل کے لئے بعض ماہر اساتذہ کی خدمت حاصل کی جائے گی۔

• جامعہ کی تعمیر کا کام جامعہ کے دونوں ذمہ دار بزرگوں الحاج سید ضیاء الرحمٰن صاحب اور مولانا محمد رضوان القاسمی صاحب

کے زیرِ نگرانی چل رہا ہے اور سعی کی جا رہی ہے کہ درس گاہ اور لائبریری کی تحتانی منزل ذوالحجہ تک استعمال میں لے آئی جائے، تاکہ عمارت کی موجودہ تنگی کا کسی قدر حل ہو سکے۔

- مورخہ ۲۷؍شوال ۱۴۱۰ھ کو جامعہ میں تعلیمی سال کا افتتاحی اجلاس ہوا، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صدر مدرس نے طلبہ کو تلقین کی کہ وہ اپنی نیت کی تصحیح کریں، خدا کو راضی کرنا ان کا مقصود ہو، مطالعہ و مذاکرہ میں اپنا وقت گذاریں، زمانہ کے حالات اور تقاضوں کو سمجھیں اور وقت کا شعور اپنے اندر پیدا کریں، اسلامی آفاقیت اپنے مزاج میں رکھیں اور ہر طرح کی تنگ نظری اور کوتاہ فکری سے خود کو بچائیں، اتباعِ سنت کا خاص لحاظ رکھیں، مولانا محمد مصطفیٰ مفتاحی استاذِ حدیث نے فرمایا کہ جامعہ میں تعلیم ہی آپ کا مقصود ہو اور اس میں ہمہ دم آپ مصروف رہیں، مولانا فضل الرحمٰن صاحب نے نمازوں کے اہتمام، اساتذہ، منتظمین اور درسگاہوں کے احترام کی طرف خصوصیت سے توجہ دلائی، مولانا زبیر احمد صاحب شیخ الحدیث نے بھی طلبہ کو اپنے گھر بار چھوڑنے اور گھر کی راحتوں کے ترک کرنے کے اصل مقصد کی طرف توجہ دلائی، تواضع کی تلقین کی اور اوقات کی حفاظت کا مشورہ دیا۔ اخیر میں صدرِ اجلاس حضرت ناظم صاحب نے نئے تعلیمی سال کے آغاز پر طلبہ و اساتذہ کو مبارکباد دی، طلبہ کو تعلیمی انہماک، اخلاصِ نیت، صالحیت اور صفائی، ستھرائی، نیز اوقات کی پابندی اور مدرسہ کے قواعد و ضوابط کی پیروی کرنے کی ہدایت دی۔ اس طرح ساڑھے ۱۰ بجے شروع ہو کر ۱ بجے مولانا مفتی عبدالودود صاحب استاذِ حدیث کی دعا پر اجلاس ختم ہوا۔

- ۴؍ذیقعدہ کو حضرت مولانا نصیر احمد خاں شیخ الحدیث و نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند اور مولانا عبدالعزیز صاحب ناظم مجلس علمیہ آندھرا پردیش و رکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند جامعہ تشریف لائے، مہمان معزز کے لئے ظہرانہ کا نظم کیا گیا تھا جس میں جامعہ کے اساتذہ اور تخصص کے طلبہ بھی شریک تھے، نماز عصر کے بعد دارالعلوم کی مسجد "مسجد ارقم رضہ" میں حضرت مولانا نصیر احمد خاں صاحب نے اساتذہ و طلبہ سے خطاب فرمایا، آپ نے دینی تعلیم کی اہمیت پر زور دیا، اساتذہ کے احترام اور توقیر کی ہدایت دی، "تخصص فی الفقہ" اور "تخصص فی الدعوۃ" کے شعبوں کے قیام پر نہایت مسرت اور خوشی کا اظہار کیا، جامعہ کے نصاب تعلیم کی بھی تحسین کی اور کہا کہ مجھے اس بات سے بہت مسرت ہے کہ جامعہ ہٰذا کو نہایت بلند پایہ اساتذہ اور مختلف علوم و فنون کے ماہرین کی خدمت حاصل ہے، اس موقع سے حضرت ناظم صاحب نے خیر مقدمی کلمات کہے اور جناب صدر مدرس صاحب نے جامعہ کا تعارف کرایا۔

فہرست مضامین "صفا" جلد۲، شعبان ۱۴۰۹ھ تا رجب ۱۴۱۰ھ